موپاساں • فلابیئر • روماں رولاں • الیگزینڈر ڈیوما • بالزاک

ایمل زولا • وکٹر ہیوگو • پیرے لوئی • البرٹ کامو

U-26

فرانس کے عظیم ناول





فرانسیسی زبان کے نوشہرۂ آفاق ناولوں کی
کہانیاں جنہیں پڑھکر آپ کو اصل ناولوں کا سا
لطف آئے گا۔ اردو زبان میں اپنی نوعیت کی
پہلی اور واحد کتاب ہے جو اردو ادب میں ایک
نئے باب کا اضافہ کرے گی۔

ہند
پاکٹ
بکس
پرائیویٹ لمیٹڈ
جی۔ٹی روڈ
شاہدرہ، دلی ۳۲

(کوہ نور پرنٹنگ پریس، دلی)

فرانس کے عظیم ناول

مرتبہ: رانگے راگھو   ترجمہ: سورن پنڈت



FRANCE KE AZIM NOVEL : SUMMARIES

EDITED BY—Dr. RANGAY RAGHAV

قیمت ایک روپیہ

فہرس

موپاساں

ایک عورت کی زندگی

گائی دے موپاساں ۵ اگست ۱۸۵۰ء کو سین انف ریوریرے (فرانس) نامی مقام کے قریب پیدا ہوئے۔ مشہور فرانسیسی ناول نگار فلابیر سے آپ کی والدہ کے دوستانہ مراسم تھے۔ اس لئے ادبی لحاظ سے موپاساں فلابیر سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ بڑے ہونے پر پیرس کے محکمہ رفاہ عامہ میں آپ کا تقرر بحیثیت کلرک ہوا۔ بعد ازاں آپ نظمیں اور افسانے لکھنے لگے جن میں یاسیت کی بہتات اور اخلاقی قدروں سے ایک طرح کا انحراف تھا۔ پھر رفتہ رفتہ آپکا ذہنی توازن بگڑنے لگا اور ۱۸۹۲ء میں آپ بالکل پاگل ہو گئے اور ۶ جولائی ۱۸۹۳ء کے دن ایک پاگل خانے میں ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔

'یونے وی' یا 'ایک عورت کی زندگی' آپکا مشہور و معروف ناول ہے۔

GUY DE MAUPASSANT

UNE VIE

اٹھارہ سالہ خوبصورت دوشیزہ جینی اپنی کانوینٹ کی تعلیم مکمل کر کے ریون میں اپنے گھر لوٹ آئی۔ قدرت کی رعنائیاں اس پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی تھیں اور ان سے محظوظ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بے حد جذباتی ہو جاتی تھی اپنے والدین کے پاس آ کر اور انکی محبت اور توجہ پا کر وہ اور بھی سرشار ہو اٹھی پوپلرز نامی ان کا آبائی مکان فارمن میں ساحل سمندر پر واقع تھا۔ اس کی بڑی تمنا تھی کہ وہاں جا کر وہ کچھ پر لطف دن گزارے۔ اور وہ اپنے والدین کے ساتھ وہاں چلی گئی۔

کھلا آسمان۔ سمندر۔ لہریں اور جھاگ اس کے دن رات کے ساتھی بن گئے۔ ہم جنسوں میں بس روزالی نام کی ایک کسان لڑکی اس کی دوست تھی جو ان کے گھر میں بطور ملازمہ کام کرتی تھی۔ لیکن جس کی حیثیت کنبے کے ایک فرد کی سی تھی اور جس کی پرورش اس طرح سے ہوئی تھی جیسے وہ جین کی سگی بہن ہو۔ ایک دن پادری پکو جین کی والدہ بیرونس سے ملنے کے لئے آیا۔ وہ ایک مقامی پادری تھا اور اگرچہ بیرن اور بیرونس دونوں کیتھولک مذہب کے کٹر پیرو کار نہیں تھے پھر بھی انہوں نے پادری کے کہنے پر اتوار کو گرجا گھر جانا قبول کر لیا۔

اتوار کے دن وہ لوگ گرجا گھر گئے۔ اجتماعی دعا کے بعد پادری نے ان لوگوں کا تعارف وائی کاونٹ جولین نامی ایک نوجوان سے کرایا جو قریب

پڑوس میں رہتا تھا اور اپنی بچی کھچی آبائی جائیداد پر گزر بسر کرتا تھا۔ جین کے والدین کو وہ نوجوان کافی پسند آیا۔ اس کی بول چال، رہن سہن، اس کے خاندان کا نام بھی کچھ انہیں اچھا لگا۔ اور اس کے خوبصورت خدوخال اور سڈول بدن سے دہ نہیں جین بھی کافی متاثر ہوئی۔ اور پھر رفتہ رفتہ جین اس سے محبت کرنے لگی اور وہ دونوں ایک ساتھ گھومنے پھرنے لگے۔ اور ایک دن جولین نے ہیرن سے درخواست کی کہ وہ ان کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

ہیرن کو بھلا اس میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا بلکہ وہ اور اسکی بیوی بے حد خوش ہوئے اور جین کی تو خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ سگائی ہو گئی۔ شادی کا دن بھی مقرر ہو گیا بلکہ شادی کے بعد ہنی مون منانے کے لئے کورسکا نامی جگہ کا بھی انتخاب کر دیا گیا۔

لیکن جین کو کسی نے بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ ایک بیوی کے کیا فرائض ہوتے ہیں۔ والدین نے کبھی اسے اس بات کی تعلیم نہیں دی کہ ایک شوہر اپنی بیوی سے کس قسم کی امیدیں کر سکتا ہے اور ان کے باہمی تعلقات کس قسم کے ہونے چاہئیں اور اسی لئے اپنے شوہر کے ساتھ شب عروسی گزارتے ہوئے جین کو ایک عجیب سا دھکا لگا۔ اس کے نرم و نازک جذبات جیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ وہ سب کچھ جو ہوا اس کے بارے میں اسے قطعی علم نہیں تھا اور اسے وہ سب کچھ بے حد مصنوعی اور ناقابل برداشت محسوس ہوا۔ شادی کے بعد جب وہ لوگ سفر پر روانہ ہوئے تو اس کے شوہر نے جس طرح اس کے تئیں اپنی محبت اور لگاؤ کا اظہار کیا۔ جین کو اس سے نفرت سی ہونے لگی اور وہ بے حد گھبرا گئی۔ لیکن کورسکا کے قدرتی مناظر نے اس کے دل پر خاطر خواہ اثر کیا۔ اور رفتہ رفتہ وہ بھی اپنے شوہر کی محبت کا جواب محبت سے دینے لگی۔

لیکن کورسیکا سے لوٹنے کے بعد جب وہ لوگ واپس پوپلرز پہنچے تو جولین میں ایک عجیب بے اعتنائی کا سا انداز آگیا۔ اسے لگا جیسے جادو اتر گیا ہو اور جیسے جین بھی 'خالی' ہوگئی ہو ــــ ادھر روزمرہ زندگی کی یک رنگی سے جین کے دل و دماغ بھی ایسے ہوگئے جیسے سچ مچ اس کے سر پر سے کوئی جادو سا اتر گیا ہو اور کچھ بھی باقی نہ رہا ہو اسے محسوس ہوتا جیسے اب اسے کسی بات میں بھی دلچسپی نہیں رہی اور جو کچھ ہو رہا ہے، اسے چپ چاپ ہونے دینا چاہیئے وہ سب کچھ ہونے کے لیئے ہی ہے۔

جولین اب پھر سے اپنے آبائی فارم میں کام کرنے لگا تھا اور اس نے حسب معمول چھوٹی چھوٹی بچتیں کرنا شروع کردی تھیں۔ بیرن دیکھتے تو اس میں سے مزاح کا پہلو نکال لیتے لیکن جین کو اس سے چڑ ہوتی۔ سال کے ختم ہوتے ہی جین کے والدین نے واپس ریون لوٹ جانے کا فیصلہ کرلیا اور ان کے جانے کے بعد تو جین پر اور بھی اداسی چھاگئی ــــ اب روزالی بھی پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ وہ اکثر بیمار رہتی تھی اور بقول اس کے اس کی زندگی میں غم ہی غم تھا۔

ایک رات جین نے دیکھا کہ روزالی اپنے سونے کے کمرے میں فرش پر پڑی بری طرح کراہ رہی تھی اور اس کے پاس ہی ایک نوزائیدہ بچہ پڑا تھا۔ جولین کو جب اس بارے میں پتہ چلا تو وہ بے حد خفا ہوا اور اس نے فوراً روزالی کو اپنے بچے سمیت گھر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ جین پوچھ پوچھ کر ہار گئی لیکن روزالی نے بچے کے باپ کا نام نہیں بتایا۔

کئی ہفتے گزر گئے، آخر ایک رات جین کو پتہ چل گیا کہ روزالی کا عاشق دراصل خود اس کا شوہر جولین تھا۔ اس خبر سے جین کو ایسا لگا جیسے زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی ہو اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا اور وہ خودکشی کے ارادے

سے سمندر کی طرف بھاگ چلی۔ جولین اس کے پیچھے بھاگا اور ٹھیک اس وقت اُسے پکڑنے میں کامیاب ہوگیا جب وہ ایک اونچی چٹان پر سے سمندر میں کودنے والی تھی۔ کسی طرح وہ اسے واپس گھر تو لے آیا لیکن اس وقت چونکہ برف پڑ رہی تھی اس لئے وہ سردی کھا گئی۔ اس کی بیماری کی خبر پا کر اس کے والدین اُسے دیکھنے کے لئے آئے جولین نے اپنے آپ کو قطعی بے قصور قرار دے دیا۔ اس پر جین نے تہیہ کر لیا کہ وہ روزالی سے اصلی بات اگلوا کر رہے گی۔ پادری کو بلوایا گیا۔ پادری کے سامنے روزالی نے اپنا حلفیہ بیان دیا کہ جب پہلی بار جولین پوپلرز آیا تھا تبھی اس نے اس پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے تھے اور بچہ اسی کا تھا۔ بیرن نے پچیس ہزار فرانک کی قیمت کا ایک فارم روزالی کے نام کرنا منظور کر لیا اور پادری نے اس کے لئے شوہر ڈھونڈنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی انہیں دنوں جین کو معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے۔ اس سے اس کے دل کا گھاؤ آہستہ آہستہ مندمل ہونے لگا۔ اور جب بچے کی پیدائش ہوئی تو اس نے اپنی تمام تر محبت اسی پر مرکوز کر دی۔

اس دوران میں ان کے دوستوں کا حلقہ بھی وسیع ہوتا گیا۔ پڑوس میں ہی کاؤنٹ اور کاؤنٹس دی فورویل رہتے تھے جولین کی ان سے گہری دوستی ہوگئی تھی اور وہ جین کی بھی بڑی قدر کرتے تھے۔ لیکن جولین کی اپنے بیٹے میں قطعی دلچسپی نہیں تھی۔

ادھر ایک زمانے سے جولین کچھ بدل بھی گیا تھا۔ جین کو پتہ چلا کہ جولین اور کاؤنٹس دی فورویل میں معاشقہ چل رہا ہے دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر دیہات میں گھومنے جایا کرتے تھے۔ ایک دن جین نے ان کا پیچھا کیا۔ دوپہر ڈھل چکی تھی اور گھوڑے پر سوار جین نے دیکھا کہ جولین اور کاؤنٹس کے گھوڑے ایک جگہ

بندھے ہوئے تھے اور عاشق اور محبوبہ نہ جانے کہاں غائب تھے۔

انھیں دنوں اچانک جین کی والدہ کو دل کا دورہ پڑا اور اس کی موت واقع ہو گئی۔ جین کے لئے یہ ایک اور کاری زخم تھا جس کی کسک کم کرنے کے لئے وہ اپنی والدہ کے پرانے خطوں کا مطالعہ کرنے لگی۔ والدہ کے خطوں کا مطالعہ کرتے کرتے اسے یہ پڑھکر انتہائی رنج ہوا کہ اپنے زمانے میں خود اس کی والدہ کا اپنے شوہر کے ایک دیرینہ اور بہت اچھے دوست سے معاشقہ چلتا رہا تھا۔

ایک دن یو بلرز کے سرسبز لان پر بڑی سنجیدگی سے ٹہلتا ہوا کاونٹ د، فورویل جین کے پاس آیا۔ اس کا چہرہ حد درجہ خوفناک ہو رہا تھا۔ جین اس کے چہرے کو دیکھتے ہی سمجھ گئی کہ شاید اسے جولین اور اپنی بیوی کے معاشقے کا پتہ چل گیا تھا۔ جین ابھی اس سے کچھ کہہ بھی نہیں پائی تھی کہ وہ الٹے پاؤں ان دونوں کو۔۔۔ جولین اور کاونٹس کو ڈھونڈنے کے لئے واپس چلا گیا۔

جاڑے کے دنوں میں چرواہے برف سے بچنے کے لئے چراگاہوں میں ہی جھونپڑے سے بنا لیتے تھے۔ ایسے ہی ایک جھونپڑے کے پاس کاونٹ کو دو گھوڑے دکھائی دیئے کاونٹ نے جھونپڑے کے اندر جھانکا۔ دونوں عاشق اور محبوبہ جنسی فعل میں مست ہو رہے تھے۔ کاونٹ کے طیش کی انتہا نہ رہی اس غیظ و غضب کی حالت میں اس نے جھونپڑے کو اپنی جگہ سے سرکانا شروع کیا۔ کاونٹ بہت ہٹا کٹا اور تنومند تھا۔ اس لئے وہ جھونپڑے کو اسی طرح سرکاتے سرکاتے ایک چٹان کے اوپر تک کھینچ لے گیا اور پھر اس نے ان دونوں عاشق اور محبوبہ کو جھونپڑے سمیت گہری کھائی میں لڑھکا دیا۔

کسانوں نے جب نیچے کھائی میں ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے کو دیکھا تو انہیں جولین اور کاؤنٹس کی لاشیں بھی نظر آئیں۔

اس حادثے کے بعد تو جین نے جیسے اپنی پوری زندگی ہی پال کی دیکھ بھال میں لگا دی۔ اس نے اس سے اتنا زیادہ لاڈ کیا کہ بالآخر بچہ بگڑنے لگا جب وہ پندرہ برس کا ہوا تو تعلیم کے سلسلے میں اسے باہر بھیجنے کی بات اٹھی۔ جین نے کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ تعلیم کے لئے اسے کہیں دور بھیج دیا جائے گا۔ وہ اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے دور کیوں بھیجا جائے۔ یہیں گاؤں میں پڑھا لکھا کر کھیتی باڑی سکھائی جائے اور وہ ایک باعزت زمیندار بن کر اپنی زندگی گزارے لیکن پال کے نانا، بیرن کی رائے اس سے مختلف تھی۔ وہ اسے بہر صورت کالج بھیجنا چاہتے تھے اور بالآخر جین کو ان کی بات ماننا پڑی۔ کالج میں دوسرا برس ختم کرتے کرتے پال کا پولرز میں آنا بہت کم ہو گیا۔ اب اس کے نئے دوست بن گئے تھے طبیعت میں عیاشی کا عنصر سرائت کر گیا تھا اور اس سے پہلے کہ جین اس تبدیلی کو دیکھتی۔ وہ ہر لحاظ سے پورا مرد بن چکا تھا۔ چوتھے برس اس نے جین کو بتائے بغیر کالج چھوڑ دیا اور ایک رکھیل بھی رکھ لی۔

آئندہ کچھ سالوں میں گھر سے اس کی خط و کتابت محض اس لئے ہوئی کیونکہ اسے بار بار پیسے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس پر بہت زیادہ قرض ہو گیا تھا۔ اس کا نانا بار بار اپنی جائداد رہن رکھ کر کسی طرح اسے قرض خواہوں سے بچاتا رہا لیکن ایک بار پال اتنا زیادہ مقروض ہو گیا کہ اس کا قرض چکانے کے انتظام میں ہی اس کے نانا بیرن کی موت ہو گئی۔

ادھر جین تیزی سے بوڑھی ہو رہی تھی اور اس کی آمدنی بھی قریب قریب

ختم ہو چکی تھی۔ پال کی رکھیل کے تئیں اس کے دل میں بے انتہا نفرت تھی اور یہ نفرت اسے اندر ہی اندر کھائے چلی جا رہی تھی اب اس کا ذہن صرف ماضی کی طرف ہی دوڑتا تھا اور جیسے وہ حال میں رہنا ہی بھول گئی تھی۔

پھر ایک دن اچانک روزالی پوپلرز میں لوٹ آئی۔ جین نے جب اسے دیکھا تو اسے بہت اچھا لگا۔ روزالی نے جین کے حساب کتاب اپنے ہاتھ میں لے لئے اور کہا کہ جو کچھ بچایا جا سکے اسے بہر صورت بچانا چاہیئے۔ اسی نے پوپلرز کو بیچ ڈالنے کا بھی مشورہ دیا اور اگرچہ جین اس سے متفق نہیں تھی پھر بھی مجبوری کے پیش نظر اسے ایسا کرنا پڑا۔ اور وہ روزالی کے ساتھ کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی کوٹھری میں رہنے لگی۔ پال کی بے رخی سے پریشان ہو کر وہ اس سے ملنے پیرس بھی گئی۔ لیکن وہاں پال کے بجائے پال کے قرض خواہوں سے ہی اس کی ملاقات ہوئی۔ بالآخر جین نے فیصلہ کر لیا۔ کہ اب وہ کبھی پال سے ملنے نہیں جائیگی۔ لیکن تبھی اسے اطلاع ملی کہ جس عورت سے پال محبت کرتا تھا۔ وہ بستر مرگ پر پڑی تھی۔ اور اس نے ایک بچے کو جنم دیا تھا۔ اس اطلاع پر روزالی فوراً پیرس کے لئے روانہ ہو گئی تاکہ بچے کو اپنے ساتھ لے آئے اور اس کے ماں باپ کی آپس میں شادی کروا دے۔ لیکن دوسرے دن جین کو اطلاع ملی کہ پال کی رکھیل مر گئی تھی اور پال واپس گھر آ رہا تھا۔ کئی برسوں بعد جین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ اور روزالی نے واپس آ کر جین سے کہا۔ "دیکھتی ہو۔ زندگی نہ تو اتنی بری ہے جتنی کہ ہم سمجھتے ہیں اور نہ ہی اتنی اچھی، جتنی کہ ہم چاہتے ہیں۔"

●

رومان رولاں

ژاں کرستوف

رومان رولاں ۲۹ر جنوری ۱۸۶۶ء کو فرانس کے کلے میسی نامی مقام میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی آپ نے موسیقار بننے کا فیصلہ کر لیا تھا۔۔۔۔ اکھول نورمیل سپیر ئر میں آپ نے تعلیم حاصل کی اور موسیقی سے متعلق مقالے پر ہی آپ کو ڈاکٹر آف لیٹرس کی ڈگری ملی۔ وہیں آپ تاریخ فن کے پروفیسر بن گئے۔ بعد ازاں سوربن میں موسیقی کی تاریخ پڑھانے لگے۔ اس دوران میں آپ کو لاتعداد اعزازات حاصل ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں آپ کے ڈراموں اور ناولوں کو عظیم ادبی تخلیقات تسلیم کرتے ہوئے نوبل پرائز دیا گیا۔ پہلی جنگ عظیم میں آپ امن پسند بن گئے۔ اور سوئٹزرلینڈ چلے گئے ۱۹۴۰ء میں جب جرمنی نے فرانس کو شکست دی تو اس وقت آپ وہیں رہتے تھے۔۔۔۔

۳۰ر دسمبر ۱۹۴۴ء کو آپ نے وفات پائی۔

اپنی زندگی میں آپ کو بے پناہ شہرت ملی۔ دنیا کی عظیم ترین شخصیتوں سے آپ کے ذاتی مراسم بھی رہے۔ "ژاں کرستوف" میں آپ نے کردار نگاری کے توسط سے انسانی دل و دماغ کی ان گہرائیوں کا تجزیہ کیا ہے جنہیں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔

ROMAIN ROLLAND

JEAN CHRISTOPHE

ژاں کرستوف کرافٹ میلکائر کا بیٹا تھا۔ میلکائر موسیقار تھا۔ لیکن اُسے نشے کی بری لت تھی۔ اس کا لوئیشا نامی باورچن سے تعلق ہوگیا تھا اور اسی کے نتیجے کے طور پر ژاں کرستوف کی پیدائش ہوئی تھی۔

رہن ناڈ ایک چھوٹے سے قصبہ میں ژاں میخلے نامی ایک شخص نے پچاس برس پہلے اپنی رہائش گاہ بنائی تھی ژاں میخلے ژاں کرستوف کا دادا تھا۔ ژاں کرستوف کا باپ میلکائر اسے بلا ناغہ پیانو پہ بٹھا کر مشق کرواتا تھا۔ بچے کو زبردستی کا یہ رویہ پسند نہیں تھا۔

ایک دن دادا ژاں میخلے اسے اوپرا دکھانے لے گیا۔ اسے دیکھ کر ژاں کرستوف اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے بھی موسیقار بننے کا فیصلہ کر لیا۔

کچھ عرصہ بعد ژاں میخلے نے اپنے پوتے کرستوف کے اس وقت تک کے تخلیق کردہ سبھی گیتوں کو جمع کر لیا کرستوف کھیلتے کھیلتے بلا ارادہ انھیں بنا لیا کرتا تھا۔ دادا نے گیتوں کے اس مجموعے کا نام رکھا "بچپن کے سکھ"۔ دادا کے علاوہ کرستوف کے باپ میلکائر نے بھی اپنے بیٹے کی استعداد کو پہچانا اور ایک بزم موسیقی منعقد کر ڈالی۔ اس بزم میں گرانڈ ڈیوک آف لیوفولڈ کو مدعو کیا گیا اور ژاں کرستوف نامی ساڑھے سات سالہ موسیقار نے اپنے گیتوں اور دھنوں کو گایا بجایا۔ وہ سب گیت گرانڈ ڈیوک کی نذر کر دئے گئے۔ کرستوف کو دربار کی طرف سے نوازا گیا۔ سرکاری وظیفہ مقرر ہو گیا اور محل میں

باجا بجانے کا کام بھی مل گیا۔

انہیں دنوں اس کے دادا کا انتقال ہوگیا۔ اور آمدنی کا ایک ذریعہ ختم ہوگیا۔ اس کے باپ کی شراب نوشی اب اور بھی بڑھ گئی تھی نتیجۃً اسے ہوب تھیٹر کے آرکسٹرا میں سے نکال دیا گیا۔ شراب نے اس کے باپ کی ملازمت ختم کروادی تھی اس لئے چودہ برس کی عمر میں ہی کرستوف کو پورے خاندان کا بوجھ اٹھانا پڑ گیا۔

کرستوف کے ماموں کا نام گوٹ فریڈ تھا۔ وہ ایک سیدھا سادہ ایماندار آدمی تھا۔ اس کی آمدنی کے سہارے کرستوف نے اپنے لئے ایک طرز زندگی کا نقشہ تیار کیا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی وہ اِدھر اُدھر موسیقی سکھانے کے لئے جانے لگا۔ اور اس طرح موسیقی کا درس دیتے دیتے ہی وہ ایک امیر گھر کی لڑکی سے محبت کرنے لگا۔ لیکن جب لڑکی نے اس کا مذاق اڑایا تو اُسے بے حد رنج ہوا۔ اس کے کچھ ہی دن بعد اس کا باپ بھی چل بسا۔ ان واقعات سے کرستوف کا دل راگ رنگ سے بالکل اچاٹ ہوگیا اور وہ تنہائی پسند ہوگیا۔

لیکن اس کی یہ تنہائی پسندی بھی زیادہ دن — نہ چل سکی کیوں کہ انہیں حالات میں وہ سبیین نامی ایک نوجوان بیوہ کے عشق میں گرفتار ہوگیا مگر اس سے پہلے کہ وہ عشق کوئی رنگ لاتا سبیین اس دنیا سے اٹھ گئی۔ اس حادثے نے کرستوف کو اور بھی بے دل اور بے اعتنا کر دیا اور وہ دیہات میں گھومنے کا عادی ہوگیا۔ اسی طرح گھومتے گھومتے ایڈا نامی لڑکی سے اس کی ملاقات ہوئی انہوں نے ایک ہوٹل میں ایک ساتھ رات گزاری اور وہ ایڈا سے محبت کرنے لگا۔ لیکن جب اسے اس بات کا پتہ چلا کہ خود اسی کے چھوٹے بھائی سے ایڈا کا معاشقہ چل رہا ہے تو اس کے دل کو بڑا دھکا لگا وہ اب پوری طاقت سے اپنے کام میں جٹ گیا۔ عمر کے ساتھ ساتھ اسکی قوتِ تمیز ایمانداری، صداقت اور شعور میں بھی پختگی آتی گئی۔

اس کے بنائے ہوئے موسیقی کے اصول جرمن اصولوں سے ٹکرانے لگے اور ایک مقامی اخبار کے ذریعہ اس نے جرمن طریقے کو وحشی طریقہ کہنا شروع کر دیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اخبار کے ایڈیٹروں سے اس کا جھگڑا ہو گیا اور وہ ایک سوشلسٹ اخبار میں لکھنے لگا۔ اس بات سے گرانڈ ڈیوک بھی اس سے بدظن ہو گیا اور اس نے اسے ملنے والی سرکاری امداد بند کروا دی۔ لیکن ژاں کرستوف کی مصیبتوں کا اتنے پر ہی خاتمہ نہیں ہوا۔ قصبے کے بیشتر لوگ اس کے خلاف ہو گئے اور رفتہ رفتہ دوست بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ صرف بوڑھا ہیر شیٹز، جو تاریخ موسیقی کا ایک ریٹائرڈ پروفیسر تھا، اس کی بات کو سمجھتا تھا۔

ایک بار ایک سرائے میں ایک کسان لڑکی کے ساتھ رقص کرتے ہوئے کرستوف کا کچھ شرابی فوجیوں سے جھگڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ بیس برس کا تھا فوجیوں سے جھگڑا کرنے کے جرم میں چونکہ جیل کا خطرہ تھا اس لئے کرستوف کو مجبوراً وہاں سے بھاگ کر پیرس جانا پڑا۔ پیرس میں اپنی گزر بسر کے لئے وہ موسیقی کی ٹیوشن کرنے لگا۔ وہاں اسے اپنے بچپن کا ایک دوست ملا۔ سلوے کوہن' جو پیرس کے اعلیٰ طبقے میں اپنا اثر رسوخ قائم کر چکا تھا۔ اس نے کرستوف کو بھی اس سماج میں گھسا دیا لیکن کرستوف کو وہ سب کچھ پسند نہیں آیا اس سماج میں کھوکھلا پن تھا۔ کاہلی، بداخلاقی اور اپنے آپ کو برباد کر دینے والی غیر ضروری تنقید تھی۔ ایسے سماج میں شہرت حاصل کرنے کے لئے کرستوف کو ان سبھی چیزوں سے سمجھوتہ کرنے کی ضرورت تھی۔ اور اس نے اسے قبول نہیں کیا اور چونکہ رفتہ رفتہ وہ سب سے الگ تھلگ ہوتا چلا گیا تھا اس لئے اسے ٹیوشن ملنا بھی بند ہو گئی۔

اب وہ ایک پبلشر کیلئے دھنیں ترتیب دینے لگا۔

اس دوران میں وہ بے حد بیمار ہو گیا۔ اس کے پڑوس میں کچھ لوگ

رہتے تھے جن میں سے سڈونی نے اس کی بڑی خدمت کی یہاں اکول نورمیل کے
ایک نوجوان لیکچرار اولیویئر جیاں سے بھی اس کی ملاقات ہوئی۔ اُسے پتہ چلا کہ
اولیویئر انتوت کا بھائی تھا جس سے کہ جرمنی میں اس کی ملاقات ہوئی تھی
ژاں کرستوف کا اگرچہ کوئی دوست نہیں تھا پھر بھی صرف اس کا واقف کار ہونے
کی وجہ سے انتوت کا سماج میں کوئی درجہ نہ رہا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ انتوت
کو تپدق ہو گئی تھی اور اپنے بھائی کی تعلیم کی خاطر سخت محنت کرنے اور اپنی
دیکھ بھال نہ کر پانے کی وجہ سے اس کی موت ہو گئی تھی۔

ایک دن اولیویئر نے کرستوف سے کہا کہ اب تک وہ حقیقی فرانس کے
تعلق میں نہیں آیا۔ فرانس کے عوام کے تعلق میں۔ دونوں ہی ایک دوسرے
کو نئی نئی معلومات بہم پہنچانے لگے۔ دونوں ایک دوسرے کی فطرت سے
واقف ہو گئے تھے۔ اولیویئر سنجیدہ مزاج تھا لیکن جسمانی لحاظ سے غیر صحت مند
ادھر کرستوف میں بے پناہ قوت تھی اور اس کی روح میں جیسے طوفان بھرے پڑے
تھے — دونوں کی جوڑی ایک طرح اندھے اور لنگڑے کی جوڑی تھی جو ایک
دوسرے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے تھے۔

کچھ دن بعد کولینھ نامی لڑکی کی بنا پر دونوں دوستوں میں تناؤ پیدا
ہو گیا۔ کرستوف کولینھ کو پہلے سے چاہتا تھا اور اب اولیویئر اس کا نیا عاشق تھا۔
کولینھ نے معاملے کو سلجھانے کے لئے لیوی کور نامی ایک شخص کو بیچ میں ڈالا۔ یہ
کرستوف کا پرانا دشمن تھا۔ اس لئے اس نے معاملے کو سلجھانے کے بجائے اور
بھی الجھا دیا۔ اس سے کرستوف کو بہت غصہ آیا اور اسی غصے میں اس نے ایک
پارٹی میں لیوی کور کی بے عزتی کر دی۔ لیوی کور نے اسے ڈوئیل کے لئے للکارا
اور کرستوف لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اتفاق سے دونوں کی گولیاں خطا

گیئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کرستوف اور ادلیوٹر کا تناؤ دور ہو گیا اور وہ پھر سے ایک دوسرے کے دوست ہو گئے۔

اس دوران میں فرانس اور جرمنی کے مابین جنگ کی خوفناک خبریں آنے لگیں چاروں طرف خوف و ہراس پھیل گیا جب قدرے امن و سکون ہوا تو کرستوف دس گنا طاقت سے اپنا تخلیقی کام کرنے لگا۔ اب اس کی تخلیق کردہ دھنیں شائع ہونے لگیں۔ اور فرنچ اور جرمن آرکسٹرا انھیں بجانے لگے۔ اس کی کامیابی اور شہرت کا راستہ ہموار ہو چلا تھا کہ اچانک اسے جرمنی میں اپنی ماں کے بستر مرگ پر پہنچنا پڑا۔

جیکلین لنگیا س ایک خوبصورت لڑکی تھی لیکن اس کی عادتیں بگڑ چکی تھیں اور وہ بہت نٹ کھٹ تھی۔ ادلیوٹر اس سے محبت کرنے لگا۔ اور پھر اس نے اس سے شادی کر لی۔ اسے فرانس کی ایک نواحی بستی میں ملازمت مل گئی اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ وہیں جا بسا۔ پھر کچھ دن بعد وہ لوگ پیرس آ گئے۔ جیکلین بہت جلد ادلیوٹر سے اوب گئی۔ ان کے یہاں ایک بچہ بھی پیدا ہوا لیکن اس وجہ سے بھی دونوں میاں بیوی ایک نہ ہو سکے۔ پھر جیکلین نے کرستوف سے محبت کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی طبیعت سیر نہ ہوئی اور وہ ایک بدچلن ادیب کے ساتھ بھاگ گئی۔ اس حادثے کا نتیجہ یہ ہوا کہ کرستوف اور ادلیوٹر جن کے باہمی تعلقات میں دراڑ پڑ گئی تھی پھر سے ہموار ہو گئے۔ وہ دونوں پیرس کے سماج کو سمجھنا چاہتے تھے۔ ادلیوٹر اصلاح پسند تھا اور کرستوف انسانیت پسند۔ ان رجحانات نے ان کا رخ مزدور تحریک کی طرف موڑ دیا۔ یوم مئی کا جشن دیکھنے کے لئے ادلیوٹر بھی پہنچا اور دنگے میں مارا گیا۔ اس پر کرستوف کا پولیس سے جھگڑا ہو گیا اور ڈر تھا کہ وہ دھر لیا جاتا لیکن اس کے دوست آڑے آ گئے اور

انھوں نے اسے ملک کی سرحد کے اس پار پہنچا دیا۔ اب وہ ایک بار پھر حکام کی نظر میں بھگوڑا ہوگیا۔ جیسے کہ دس سال قبل وہ ادھر سے ادھر بھاگتا پھرتا تھا۔

ڈاکٹر بروڈن نے اسے پناہ دی۔ وہ جرمن تھے۔ ان کی بیوی کا نام انا تھا۔ کچھ دن بعد کرستوف اور انا میں معاشقہ شروع ہوگیا اگرچہ ان دونوں نے بے حد کوشش کی کہ وہ اس سلسلے کو ختم کر دیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ بروڈن کو دھوکا دیا گیا ہے ــــ یہ سوچ کر انا کو اتنی ذہنی تکلیف ہوئی کہ اس نے خودکشی کرنے کی کوشش کر ڈالی ــــ نتیجۃً کرستوف وہاں سے نکل بھاگا اور سوئزرلینڈ کے پہاڑی علاقے میں جا پہنچا ــــ اسی طرح ملک در ملک گھومتے پھرتے کئی برس گزر گئے۔ اٹلی کے دوران قیام کرستوف کو گریجیا ملی۔ جوانی کے دنوں میں ایکبار پیرس میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ گریجیا نے آسٹریا کے ایک کاؤنٹ سے شادی کی تھی۔ اپنے شوہر کے اثر رسوخ سے اس نے کرستوف کی اس وقت مدد کی تھی جب عوام کرستوف کی موسیقی کو پسند نہیں کرتے تھے اس کے شوہر کی ایک ڈوئل میں موت ہوگئی تھی اور اب وہ ایک ماں تھی کرستوف اور گریجیا ایک دوسرے کے عشق میں گرفتار ہوگئے لیکن پھر جلد ہی الگ بھی ہوگئے۔ کرستوف پیرس لوٹ آیا اور گریجیا کی گرتی ہوئی صحت بالآخر اس کے لیے موت کا پیغام لے آئی۔

اپنی زندگی کے ڈھلتے ہوئے دن کرستوف اپنے پرانے دوستوں کے درمیان گزارنے لگا انہیں دنوں اس کے لیے خوف کا ایک نیا سبب پیدا ہوگیا۔ اور وہ یہ تھا کہ جرمن اور فرانس پر جنگ کے بادل منڈلانے لگے تھے۔ لیکن اسے یقین تھا کہ اگر جنگ ہوئی تو بھی وہ دونوں ملکوں کے عوام کے بھائی چارے کو ختم نہیں کر سکے گی۔

پنے آخری وقت تک کرستوف گیتوں اور دھنوں کی تخلیق کرتا رہا یہاں تک

کہ جب موت بالکل سر پر آ پہنچی تو بھی اس نے اپنا قلم اٹھایا اور لکھا۔

"تو پھر سے پیدا ہوگا، آرام کر

اب سب کچھ ایک ہو گیا ہے

رات اور دن کی مسکراہٹیں آپس میں مل گئی ہیں

محبت اور نفرت ہم آہنگ ہو گئی ہیں

میں بڑے بڑے زیوروں والے دیوتا کی عبادت کروں گا۔

زندگی کی فتح، موت کی فتح ......"

●

الیگزینڈر ڈیوما فلس

محبّت اور قربانی

الیگزینڈر ڈیوما فلس ۲۷ر جولائی ۱۸۲۴ء کے دن پیرس میں پیدا ہوئے آپ کے والد مشہور ناول نگار الیگزینڈر ڈیوما تھے۔ والدہ کا نام میری لیبے تھا جب آپ پیدا ہوئے تب آپ کے والدین کی آپس میں شادی نہیں ہوئی تھی بعدازاں ہوگئی لیکن آپ کے زمانۂ طالب علمی میں آپ کو ناجائز اولاد کے عنوان سے کافی ذلت اٹھانی پڑی ـــــ ویسے باپ بیٹے میں بہت اچھے مراسم تھے اور دونوں بہت شاہ خرچ تھے۔ کچھ ہی دنوں میں آپ پر دس ہزار کا قرض ہوگیا۔ اقتصادی مجبوری کی وجہ سے آپ لکھنے لگے اور ۱۸۴۸ء میں 'کیملے' کی تخلیق کے بعد اچھے خاصے دولت مند ہوگئے۔ اور آپ کو ادبی دنیا میں بھی ایک خاص مقام حاصل ہوگیا اور پھر ۱۸۷۴ء میں آپ کو فرینچ اکادمی کے لئے منتخب کرلیا گیا ـــــ آپ کی تاریخ وفات ہے ۲۷ر نومبر ۱۸۹۵ء کیملے (محبت اور قربانی) کا ترجمہ دنیا کی تقریباً تمام مہذب زبانوں میں ہوچکا ہے۔

ALEXANDER DUMAS FILS

CAMILLE

پیرس کے اس بدنام علاقے کا نام اس کے باشندوں کی وجہ سے ہی پڑا تھا۔ ریو دنتین کے ایک مکان میں ایک طوائف کی بڑی افسوسناک حالت میں موت ہو گئی تھی کیوں کہ وہ بری طرح مقروض تھی۔ اور اب اس کا فرنیچر اور دوسرا سامان نیلام ہو رہا تھا۔ لوگ نیلامی کا تماشا دیکھ رہے تھے لیکن انہیں تماشائیوں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو سب سے الگ تھلگ کھڑا تھا اور بے حد سنجیدہ تھا۔ وہ ایک حساس ادبی انسان تھا۔ مرحوم طوائف مارگیورائٹ کے پاس اس کے آخری دنوں میں بہت سے ایسے لوگ آیا کرتے تھے جو ہر اعتبار سے بہت کم تر ہوتے تھے۔ لیکن یہ آدمی ایسا نہیں تھا۔ وہ اس کے حسن اور جوانی کے پیچھے اس کے غم کو بھی دیکھتا تھا۔ اس نیلام میں اس نے مینن لیس کوٹ نامی کتاب کی ایک جلد خریدلی۔ جب اس نے اس کتاب کو کھولا تو اس کے پہلے صفحے پر لکھا تھا "مارگیورائٹ کی نذر" اور نیچے آرمنڈ ڈیوول کے دستخط تھے۔ اس تحریر نے اس کے دل میں ایک خاص قسم کی ہلچل سی پیدا کر دی۔ کچھ دن بعد ایک اجنبی اس کے یہاں آیا اور اس نے اپنا نام آرمنڈ ڈیوول بتلایا۔ ڈیوول ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ اور اس کی انکساری بھی اس کے دلی درد کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ دراصل وہ اپنی کتاب واپس لینے آیا تھا۔ جس عاجزی سے اس نے اس کے لئے درخواست کی تھی، اسے وہ کتاب واپس مل گئی۔ ڈیوول کو اس بات کا بے حد رنج تھا کہ

وہ اپنی محبوبہ کی موت کے وقت اس کے پاس نہیں پہنچ سکا۔ اس نے ایک خط دکھایا۔ جو مارگیورائٹ نے اپنی موت سے کچھ ہی دیر پہلے اسے لکھا تھا۔ اس میں اس نے اس کے تئیں ان الفاظ میں محبت کا اظہار کیا تھا کہ صرف اسی کا پیار حاصل کرنے کے لئے وہ کچھ دن اور زندہ رہنا چاہتی تھی ۔۔۔ لیکن یہ ایک لاحاصل امید تھی۔ ڈیوول کے آنے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے اٹھ گئی۔

یہ سب بتاتے ہوئے نوجوان ڈیوول پر جیسے اداسی کا دورہ پڑا اور وہ بہت جلد رخصت ہو گیا۔

وہ آیا اور چلا گیا۔ اور وہ ادبی انسان سوچتا رہ گیا کہ آخران دونوں میں کس قسم کا معاشقہ رہا ہوگا۔

اس ادبی انسان نے مرحومہ مارگیورائٹ کے بہت سے آشناؤں سے اسکے بارے میں کئی طرح کی معلومات حاصل کر لیں۔ اسے معلوم ہوا کہ وہ طوائف دوسری طوائفوں جیسی نہیں تھی۔ کافی سمجھدار اور ایماندار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ کسی لحاظ سے بھی فحش نہیں تھی۔ نوجوان ڈیوول کے غم کی اصلیت جاننے کے لئے یہ ادبی انسان ایک دن ماؤنٹ مارترے کے قبرستان میں مارگیورائٹ کی قبر کے پاس پہنچا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ قبر کیمیلیاز کے تازہ پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ یہ مارگیورائٹ کے پسندیدہ پھول تھے۔ اس منظر نے اس ادبی انسان کے اشتیاق کو دوچند کر دیا اور وہ ڈیوول کی داستانِ عشق سننے کے لئے اس کے گھر جا پہنچا۔ نوجوان ڈیوول اس وقت بیمار تھا لیکن اس حالت میں بھی وہ اس سے ملنے کے لئے تیار ہو گیا۔ دراصل وہ اپنے غم کو بیان کرنا چاہتا تھا۔ اور اسے سننے والا ایک معقول انسان مل گیا تھا۔

تدریجاً تندرست ہونے پر وہ اس ادبی انسان کو قبرستان میں لے گیا۔ وہاں اس نے بتایا کہ وہ مارگیورائٹ کو اس قبر میں سے نکال کر دوسری قبر میں دفنائے گا۔ تبھی اسے پوری طرح سے یقین ہو سکے گا کہ وہ واقعتاً مرگئی تھی۔ بالآخر یہی کیا گیا۔ جب لاش کو ایک قبر میں سے نکال کر دوسری قبر میں لے جایا گیا تو وہ اپنی محبوبہ کے گلتے اور سڑتے ہوئے بھیانک چہرے کو دیکھکر حیران و پریشان رہ گیا اور اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ــــ اس بیماری سے آہستہ آہستہ اچھے ہوتے ہوئے اس نے اپنی پوری داستان اس ادبی انسان کو سنائی تھی۔

کچھ برس پہلے ڈیوول کی نازک بدن مارگیورائٹ سے ملاقات ہوئی تھی جو اپنے گھنے سیاہ بالوں کی وجہ سے بہت ہی حسین دکھائی دیتی تھی اس وقت وہ سفید لباس میں ملبوس تھی اس کے ہاتھ میں کیمیلیا پھولوں کا ایک گلدستہ تھا اور شاید کچھ خریدنے کی غرض سے وہ ایک دوکان میں جارہی تھی۔ ڈیوول نے اسے لمحہ بھر کے لئے دیکھا اور دیکھتے ہی جیسے مرمٹا اور اس سے راہ و رسم پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک بار وہ اسے اپنے ایک شوقین مزاج دوست کے ساتھ تھیٹر کے باکس میں بیٹھی نظر آگئی۔ اس نے فوراً اپنے دوست کے ذریعے اس سے تعارف حاصل کیا لیکن اس نے دیکھا کہ مارگیورائٹ نے اس میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی بلکہ نوجوان ڈیوول جب وہاں سے لوٹا تو اسے اپنے پیچھے مارگیورائٹ کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ کچھ ہی دن بعد اسے پتہ چلا کہ مارگیورائٹ کو تپدق ہوگئی تھی اور وہ کچھ دنوں کے لئے بیگ نرنش چلی گئی تھی۔ وہاں ایک بوڑھے اور خاندانی ڈیوک رہتے تھے۔ انھوں نے جب مارگیورائٹ کو دیکھا تو بہت

چلا گئے۔ کچھ دن پہلے ہی ان کی بیٹی کا انتقال ہو گیا تھا۔ مارگیورائٹ کو دیکھکر انھیں لگا کہ وہ ان کی بیٹی سے ہو بہو ملتی تھی۔ اور اگرچہ وہ ایک بدنام عورت تھی پھر بھی بوڑھے ڈیوک نے اسے بڑے پیار اور احترام سے رکھا۔

ڈیووال کی لگی اور بھی بھڑک اٹھی۔ وہ اس حسینہ کو دور ہی سے دیکھتا تھا اور دل ہی دل میں گویا اسکی عبادت کرتا تھا۔ اس کی بیماری کے دنوں میں بلاناغہ اس کے یہاں جاکر اس کی طبیعت کا حال پوچھا کرتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ بالآخر اس کے ایک اور دوست کے ذریعے مارگیورائٹ سے اس کی ملاقات ہوئی جو ایک ادھیڑ عمر کی طوائف کے یہاں جایا کرتا تھا۔ اس طوائف کا نام پرودنس تھا۔ حالانکہ اس نے کافی دولت کمائی تھی۔ پھر بھی اس کی پرانی عادت نہیں چھوٹتی تھی۔ پرودنس اب مارگیورائٹ کی پڑوسن تھی۔ کیملے نامی مارگیورائٹ کا ایک عاشق مارگیورائٹ کو پریشان کرنے کے لئے بار بار اس کے یہاں آتا تھا۔ اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے ایک بار مارگیورائٹ پرودنس کے گھر آگئی اور وہیں ڈیووال سے اس کی دوسری ملاقات ہوئی۔ لیکن اس بار مارگیورائٹ اس سے بڑی نرمی اور گرمجوشی سے پیش آئی۔

پھر رقص و سرود کی محفلیں جمنے لگیں۔ اور شراب پانی کی طرح بہنے لگی نتیجے کے طور پر مارگیورائٹ پر دوسری بار تپدق کا حملہ ہوا۔ اس کے یہاں آنے جانے والے لوگوں نے اس بات پر کوئی خاص توجہ نہ دی لیکن ڈیووال کو اس کی گرتی ہوئی صحت کی بے حد فکر ہو گئی۔ اور اس نے بار بار اسے اپنی صحت کا خیال رکھنے پر اصرار کیا۔ اس نوجوان کی ہمدردی اور محبت سے متاثر ہو کر مارگیورائٹ نے اس کے بوسوں کو قبول کر لیا۔

اور اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر یہ وعدہ کیا کہ وہ اس کی رکھیل بن کر رہیگی بشرطیکہ وہ اس کے ذاتی معاملات میں دخل نہ دے۔ دو دن اور دو راتیں ڈیوول نے مارگیورائٹ کی باہوں میں بسر کیں اور وہ سرشار ہو گیا۔ لیکن پھر ایک دن مارگیورائٹ کو کیمیلے کے ساتھ تھیٹر کے باکس میں بیٹھے دیکھ کر وہ حسد سے جل اٹھا۔ اگلی رات جب مارگیورائٹ نے بتایا کہ اس کی طبیعت خراب تھی اور وہ صرف دل بہلانے کے لئے تھیٹر چلی گئی تھی تو ڈیوول کو احساس ہوا کہ وہ اپنے عاشق کی بات چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس بات نے حسد کی آگ پر تیل کا کام کیا۔ گھر آکر ڈیوول نے اسے ایک کڑا خط لکھا اور خود پیرس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ مارگیورائٹ نے بڑی سمجھداری سے اس کے خط کا مناسب جواب دیا۔ اور پھر وہ اس سے ملنے کے لئے بھی آ گئی اور اس طرح ان دونوں میں پھر سے سمجھوتہ ہو گیا۔ ایک دن دیہات میں گھومتے ہوئے مارگیورائٹ نے فیصلہ کیا کہ اب وہ دونوں مستقل طور سے ایک ساتھ رہیں گے۔ اس نے ایک مکان کرایہ پر لے لیا اور ڈیوول کھلے بندوں اس کے ساتھ رہنے لگا۔

بوڑھا ڈیوک اس بات سے بے حد ناراض ہوا۔ اور اس نے مارگیورائٹ کی مالی امداد بند کر دی۔ پیسے کی کمی کو پورا کرنے کے لئے مارگیورائٹ رفتہ رفتہ اپنا سامان بیچنے لگی۔ ڈیوول کو جب اس بات کا پتہ چلا تو وہ بے حد نادم ہوا اور اس نے جو تھوڑی بہت جائداد اس کے پاس تھی مارگیورائٹ کی نذر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن پیرس میں رہنے والے ڈیوول کے باپ کو جب اس کارگزاری کا علم ہوا تو اس نے ڈیوول کو حکم دیا کہ فوراً اس کم ذات سے اپنا تعلق

توڑ دے۔ ڈیوول نے باپ کا حکم ماننے سے انکار کردیا۔ لیکن جب وہ پیرس سے لوٹ کر مارگیورائٹ کے یہاں پہنچا تو مارگیورائٹ جا چکی تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے پرانے مالدار عاشق نیکیلے کے پاس چلی گئی تھی تو اس کے درد و غم کی انتہا نہ رہی۔ وہ جیسے ایک دم پاگل ہو گیا۔ مہینوں بعد جب وہ سنبھلا تو اس نے ایک دوسری رکھیل رکھ لی۔ یہ تھی تو بہت خوبصورت لیکن بڑی بازارو قسم کی تھی۔ اب اس نے بیمار و لاچار مارگیورائٹ کی سب کے سامنے بے عزتی کرنی شروع کردی اور اسے طرح طرح سے ذلیل کرنے لگا۔ ایک رات مارگیورائٹ ڈیول کے پاس آئی اور اپنی پرانی محبت کا واسطہ دیکر اس سے درخواست کی کہ وہ اسے ستانا چھوڑ دے۔

ڈیوول مان گیا۔ لیکن جب دوسرے دن وہ مارگیورائٹ سے ملنے اسکے یہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ پھر نیکیلے کی باہوں میں تھی۔ اب حسد کی انتہا پر پہنچ کر اس نے پانچسو فرانک کے نوٹ کے ساتھ یہ لکھ بھیجا۔ یہ ہے تمہاری رات کی قیمت۔ اور پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔ الیگزینڈریا میں ڈیوول کو اطلاع ملی کہ مارگیورائٹ بے حد بیمار تھی۔ اس نے ہمدردی کا ایک خط لکھا جس کے جواب میں اسے مارگیورائٹ کی طرف سے محبت نامہ ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ وہ صرف اس کا نیاز حاصل کرنے کے لئے جی رہی تھی۔ ڈیوول فوراً پیرس کے لئے روانہ ہو گیا۔ لیکن اب بہت زیادہ دیر ہو چکی تھی اس کے پہنچتے پہنچتے مارگیورائٹ اس دنیا سے جا چکی تھی۔

اپنی موت سے کچھ ہی قبل مارگیورائٹ نے ڈیوول کے لئے اپنے دلی

جذبات ایک کاغذ پر قلمبند کئے جس میں لکھا تھا کہ ڈیول کے بوڑھے باپ کا خط پا کر ہی اس نے ڈیوول سے بے رخی اختیار کی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے اس کے پیارے کی زندگی برباد ہو۔

●

بالزاک

کھنڈر

بالزاک ۲۰ر مئی ۱۷۹۹ء کو فرانس کے ٹورس نامی مقام میں پیدا ہوئے۔
ابتدائی زندگی بڑی خستہ حالی میں گزری ۱۸۲۹ء میں جب آپ کو بطور مصنف تسلیم کر لیا گیا تب کہیں حالات میں تبدیلی آئی۔ آپ پر بہت زیادہ قرض ہو گیا تھا جسے ادا کرنے کے لئے آپ کو اتنا زیادہ لکھنا پڑا کہ آپ نے ۹۶ ناول لکھ ڈالے۔

پولینڈ کی کاونٹس ادیلین ہنسکا سے آپ کا معاشقہ بہت عرصہ تک چلتا رہا لیکن اپنی وفات کے کچھ دن پہلے ہی آپ اس سے شادی کر پائے۔
۱۸ر اگست ۱۸۵۰ء کو پیرس میں آپ نے وفات پائی۔
پیرے گوریو یعنی بوڑھا گوریو (کھنڈر) بالزاک کا ایک عظیم ناول ہے۔

HONORE DE BALZAC

PERE GORIOT

مادام وبکور نے چالیس برس تک نیو سینت جینے دیو میں ایک اوسط درجے کا بورڈنگ ہاؤس چلایا۔ پیرس میں فیبرگ سینٹ مارشل اور لیٹن کوارٹر کے درمیان کی یہ جگہ کافی شائستہ مانی جاتی تھی۔ کیونکہ یہاں رہنے والے کسی شخص پر اخلاقی لحاظ سے کبھی کوئی انگلی نہیں اٹھی تھی۔ گزشتہ تیس برس سے اس مکان میں کوئی نوجوان عورت رہی ہی نہیں تھی۔ لیکن ۱۸۱۹ء میں جس زمانے کی یہ کہانی ہے، ایک خستہ حال نوجوان لڑکی وہاں رہا کرتی تھی۔

مادام وبکور کے مکان کا نچلا حصہ بہت بڑا نہیں تھا۔ اس میں ایک بیٹھک تھی جس کی ہر چیز سے خستگی اور بوسیدگی کی بو آیا کرتی تھی۔ بیٹھک کی بغل میں کھانے کا بہت بڑا کمرہ تھا۔ جو بیٹھک ہی کی طرح پرانا پن لئے ہوئے تھا۔ مادام وبکور صبح سات بجے ہی اس کمرے میں آ بیٹھتی تھیں۔ ان کے ٹوپ کے نیچے سے نکلے ہوئے بال اون کے گچھوں کی طرح لٹکے رہتے تھے۔ ان کے ہاتھ چھوٹے اور موٹے تھے۔ اور عمر نے ان کی چھاتیوں کو اتنا بڑا کر دیا تھا کہ چلتے وقت بری طرح سے ہلتی تھیں۔

گھر میں سات افراد ٹھہرے ہوئے تھے۔ نچلی منزل میں مادام وبکور خود بھی رہتی تھیں۔ اور مادام کوتور بھی۔ مادام کوتور فوج کے ایک پے ماسٹر کی بیوہ تھی۔ وکٹرین ٹیلیفر نام کی ایک لڑکی بھی ان کے ہمراہ رہتی تھی۔ لڑکی اگرچہ بہت سادہ لباس پہنتی تھی پھر بھی اس کا صحت مند سڈول جسم ان

کپڑوں میں سے چھلک چھلک پڑتا تھا۔ وہ ہر وقت بڑی خوش و خرم نظر آتی تھی اور اگر کہیں اس نے محبت کی شیرینی چکھ لی ہوتی تو گویا سونے پر سہاگہ ہو جاتا لڑکی کے والد کو شبہ تھا کہ وہ اس کی بیٹی نہیں تھی اور اسی لیے اس نے اس کے لیے چھ سو فرانک سالانہ مقرر کر کے باقی کروڑوں کی جائداد کا وارث اپنے بیٹے کو بنا دیا تھا۔ مادام کوتر ان کی ایک دور کی رشتہ دار تھی۔ اور انھوں نے ہی وکٹرین کو اپنی بیٹی کی طرح پالا تھا۔

دوسری منزل پر ایک سرکاری پنشن یافتہ ادھیڑ آدمی رہتے تھے۔ نام تھا پوئے ریت نقلی بالوں کی کالی وگ پہنتے تھے۔ کنپٹی سے رخساروں تک پھیلے ہوئے بالوں پر خضاب لگاتے تھے اور اپنے آپ کو موسیو وترین نام کا ایک ریٹائرڈ سوداگر بتاتے تھے۔

تیسری منزل پر چار کمرے تھے۔ اور ان چاروں میں الگ الگ افراد رہتے تھے۔ ایک کمرے میں بوڑھی میموزیل پیچونو رہتی تھی۔ دوسرے میں بوڑھا گوریو۔ جس نے اپنا کاروبار بند کر دیا تھا۔ تیسرا ایک ڈاکٹری کا طالب علم تھا۔ ڈیانگن اور چوتھا قانون کا طالب علم۔ یوجین راسٹنیاک۔ یوجین راسٹنیاک جنوبی علاقے کے ایک بیرن کا بیٹا تھا۔ جن کی مالی حالت رفتہ رفتہ خستہ ہو گئی تھی۔ اس کے بال کالے تھے۔ آنکھیں نیلی اور اس کے رکھ رکھاؤ اور لہجے سے اعلیٰ نسبی جھلکتی تھی۔

وترین اگرچہ ہمیشہ ہنس مکھ بنا رہتا تھا لیکن کبھی کبھی اس کے چہرے پر ایسی فولادی سختی آجاتی تھی کہ دیکھ کے ڈر لگتا تھا کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کام کرتا تھا۔ اور وہاں کیوں رہ رہا تھا۔

اس گھر میں جیسا کہ دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ سب لوگوں کے مذاق کا

بھی ایک مرکز تھا وہ تھا بوڑھا گوریو ـــ چھ سال پہلے اپنا کاروبار ٹھپ کر کے وہ یہاں آ بسا تھا۔ اس وقت وہ بہت عمدہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ اور اس کی سونے کی گھڑی بڑی چمکیلی تھی۔ اس کے سامان میں بھی بہت سی قیمتی چیزیں تھیں اور وہ انھیں بڑی حفاظت سے رکھتا تھا انہی میں چاندی کی ایک طشتری بھی تھی اور وہ کہا کرتا تھا ـــ "شادی کی پہلی سالگرہ پر میری بیوی نے یہ مجھے دی تھی۔ میں بھوکا بھلے ہی مر جاؤں، لیکن چاندی کی یہ پلیٹ الگ نہیں کروں گا۔ اور پھر ابھی میری حالت ایسی خستہ بھی نہیں ہے ابھی میرے پاس کھانے کو کافی کچھ ہے۔"

ایک سال گزر گیا۔ گوریو پہلے کی نسبت کم خرچ کرنے لگا۔ دوسرے سال وہ نچلی منزل میں آ بسا اور اس نے "تاپنے کے لئے" انگیٹھی جلانا چھوڑ دیا حالانکہ اسے حکومت کی طرف سے آٹھ ہزار فرانک سالانہ سے کچھ زیادہ ہی ملتے تھے۔ بڑے فیشن دار کپڑوں میں ملبوس دو نوجوان لڑکیاں اس کے پاس آیا کرتی تھیں اور بورڈنگ میں رہنے والے لوگوں کا خیال تھا کہ بوڑھا گوریو رنگین مزاج بلکہ بدچلن تھا۔ جب ایک بار گوریو سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو اسے بہت غصہ آیا اور اس نے اعلان کیا کہ وہ دونوں اس کی بیٹیاں تھیں لیکن یہ بات اس نے کسی کو بھی نہیں بتائی کہ وہ دونوں لڑکیاں اس سے پیسہ اینٹھنے آیا کرتی تھیں اور بوڑھے کو روز بروز مفلس تر کرتی جا رہی تھیں۔

وقت کچھ اور گزرا اور وہ اور بھی کم تر منزل میں اتر آیا۔ اس کے اخراجات میں بھی مزید کمی آ گئی۔ چوتھا سال آتے آتے وہ کافی کمزور اور لاغر بھی ہو گیا تھا اور ستر سال سے بھی زیادہ کا نظر آنے لگا۔ شکل و صورت سے بدھو، لرزندہ، ڈھیلے ڈھالے اور غلیظ کپڑے، اس کا تمام تر قیمتی

سامان غائب ہو چکا تھا۔

یوجین راستگناک پیرس کے اعلیٰ طبقے میں شمولیت کا متمنی تھا۔ اس کا تعارف اپنی چچی کی ایک رشتہ دار وکونتس دے بیوساتگ سے ہوا اور اسے ایک بال رانس میں مدعو کیا گیا۔ وکونتس کو اُس کا عاشق دغا دے گیا تھا اسلئے وہ یوجین میں خاصی دلچسپی لینے لگی اور اسے اعلیٰ طبقے سے روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ اس نے اسے بوڑھے گوریو کی کہانی سنائی۔

گوریو آٹے کا بیوپاری تھا۔ ان دنوں انقلاب کا زمانہ تھا اور وہ دس گنا قیمت پر آٹا بیچ کر خوب پیسہ کمایا کرتا تھا۔ اپنی بیٹیوں پر وہ جان چھڑکتا تھا اس نے دونوں بیٹیوں کو جہیز میں آٹھ آٹھ لاکھ فرانک دیئے۔ بڑی بیٹی کا نام اناستیسی تھا جس کی شادی اس نے کاؤنٹ دے رستوو سے کرائی تھی۔ اور چھوٹی کا نام تھا ڈلفن جس کی شادی اس نے ایک امیر جرمن تاجر بیرن دے تسنگن سے کی تھی۔ اس کے بعد بوڑھے نے یہ محسوس کیا کہ دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے شرمندہ ہوتی تھیں کیونکہ وہ اتنے اعلیٰ خاندان کا فرد نہیں تھا۔ اور اسی لئے اس نے اپنی وہ جائے رہائش چھوڑ دی اور الگ رہنے لگا۔ یہ قربانی کرتے ہوئے اسے قطعی افسوس نہیں ہوا۔ ڈچز نے یہ نہیں بتایا کہ اناستیسی کا ایک عاشق اور بھی تھا اور اس لئے اس نے بوڑھے گوریو سے، جو کچھ کہ اس کے پاس باقی بچا تھا۔ (تقریباً دو لاکھ فرانک) وہ بھی نکلوا لیا تھا کہ جوئے میں ہارے ہوئے اپنے عاشق کا قرض اتار سکے۔

بال ڈانس سے لوٹتے ہوئے یوجین نے دیکھا کہ بوڑھا گوریو اپنی چاندی کی طشتری کو کسی چیز سے کوٹ کوٹ کر توڑ مروڑ رہا تھا۔ اسی طرح

اس نے اپنی سوپ پینے کی کٹوری کو بھی توڑ ڈالا۔ اگلے دن وہ دونوں بک گئیں انا ستیسی نے اپنے کچھ اور اخراجات پورے کر لیے۔ جب یوجین کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ بوڑھا گیریو واقعی ایک عظیم انسان ہے دوسری طرف ڈلفن کے جرمن شوہر کو پیرس کے اعلیٰ طبقے میں مقام نہیں مل رہا تھا۔ اور وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح بھی ایسا ہو جائے۔ اس کا بھی اپنا ایک عاشق تھا جس کے ذریعے وہ اپنے شوہر کو آگے بڑھانا چاہتی تھی۔ اس عاشق کو پیسہ دینے کیلئے وہ خود جوا کھیلنے لگی، اور جوئے کے اڈوں پر جانے لگی کیونکہ اس کے باپ کے پاس اب اور پیسہ نہیں تھا۔

اس دوران میں یوجین کے گھر والوں نے اس کی سماج میں حیثیت بڑھانے کے لیے بارہ ہزار فرانک دینے شروع کر دیے۔ ایک دن ووترین نے اسے وکٹرین کے ساتھ جاتے دیکھ لیا۔ اور اسے تنہائی میں لے جا کر کہا۔ اگر تم چاہو تو وکٹرین تمہاری بیوی بن سکتی ہے اور تمہیں دس لاکھ فرانک بھی جہیز میں مل سکتے ہیں بشرطیکہ تم دو لاکھ فرانک کا انتظام کر سکو۔ میرا ایک دوست فوج میں کرنل ہے۔ اسے پیسے کی ضرورت ہے۔ اور وکٹرین کے بھائی فریڈرک کو جو جائیداد کا وارث ہے ڈوئل لڑ کر جہنم واصل کیا جا سکتا ہے۔

یوجین نے بڑی نفرت سے یہ تجویز ٹھکرا دی۔

کچھ دن بعد یہ خبر پھیلی کہ پولیس کو ووترین پر شبہ ہے کہ وہ ٹرومپے لا موتے نامی خوفناک مجرم ہے جو جیل سے بھاگ نکلا تھا۔ اسے چالاکی سے نشے کی دوا پلائی گئی اور وہ اگل پڑا۔ ادھر اسے گرفتار کیا گیا ادھر یہ خبر آئی کہ ڈوئل میں فریڈرک مارا گیا تھا اور اب اپنے باپ کی لاکھوں کی جائیداد

پر تنہا وکٹر ین کا حق ہو گیا تھا۔

اس سے شادی کرنے کے بجائے یوجین نے اب ڈلفن سے معاشقہ شروع کر دیا اور بوڑھا گوریو اس سلسلے میں ان کی مدد کرتا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ دس ہزار فرانک تک خرچ کر کے ان کی رہائش کا انتظام کر دے۔ اکی سب سے بڑی تمنا یہی تھی کہ اپنی بیٹی کو ہر روز دیکھ سکے۔

یوجین کی پہلی محبوبہ دکونتیس نے اپنے پرانے عاشق کی شادی کے سلسلے میں ایک بال ڈانس کا انتظام کیا۔ جس کا دعوت نامہ پاکر اناستیسی نے اپنے باپ سے پیسے کا مطالبہ کیا تاکہ وہ رستوو خاندان کے ان جواہرات کو چھڑا سکے جو اس نے گروی رکھ دیے تھے گوریو اپنے بستر علالت سے اٹھا اور اس نے اپنے آخری برتن بھانڈے بھی بیچ ڈالے تاکہ اناستیسی کے قرض کا بار ہلکا کر سکے ڈلفن کو بھی یوجین کے توسط سے اس بال ڈانس میں شرکت کا دعوت نامہ ملا۔

ادھر ڈانس ہو رہا تھا اور ادھر اپنے سرد بستر پر بوڑھا گوریو دم توڑ رہا تھا۔ اس بات کی اطلاع دینے کے لئے ایک آدمی کو دعوت میں بھیجا گیا اور اس نے گوریو کی دونوں بیٹیوں کو بتایا کہ بوڑھا آدمی مرنے سے پہلے انھیں چومنا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مرنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ چلا جائیگا جہاں سے پھر کبھی انھیں نہیں دیکھ سکے گا۔ خبر دینے والا آدمی لوٹ آیا۔ اس نے بتایا کہ لڑکیوں نے آنے سے انکار کر دیا تھا۔ ڈلفن اس وقت بہت زیادہ تھک گئی تھی اور اناستیسی اس وقت اپنے شوہر سے جھگڑنے میں مصروف تھی۔ بوڑھے گوریو کی نبضیں ڈوب رہی تھیں اور وہ بڑبڑا رہا تھا۔ کبھی وہ اپنی لڑکیوں کو کوستا تھا اور کبھی انھیں معاف کر دیتا تھا۔

"میری لڑکیاں بہت بری ہیں ـــــ میری جان کی مصیبت ہیں۔ میں نے ہی انھیں بگاڑا ہے ٹھیک ہے۔ مجھے جو سزا ملی ہے میں اسی کا حقدار تھا ـــ کیا وہ آ رہی ہیں؟ - اب میں کتے کی طرح مروں گا۔ وہ دونوں بڑی ظالم ہیں۔ ذرا بھی رحم ان کے دل میں نہیں ہے ـــ" اور آخر میں اس نے کہا "اے میرے خدا اور فرشتو...... !" اور اسکے ساتھ ہی نکئے پر اس کا سر لڑھک گیا۔

اناستیسی آئی ضرور لیکن بہت دیر سے۔ اس نے اپنے باپ کا ہاتھ چوم کر صرف اتنا کہا "پا، مجھے معاف کر دو"

گوریو کا کفن دفن بالکل بھکاریوں جیسا ہوا۔ اس کے اعلیٰ نسب دامادوں نے کسی طرح کا خرچ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ قانون اور طب کے بعض طلبار نے کچھ روپیہ ضرور جمع کیا لیکن یوجین اور اس کے ایک ملازم کے علاوہ اور کسی کو اس کے دفنانے تک کے وقفے کے لئے بھی افسوس نہیں ہوا اور آخری وقت میں اس کے لئے دعا بھی یوجین نے ہی کی۔

اس کے کچھ عرصے بعد ہی یوجین بہت اونچے مرتبہ پر پہنچ گیا اور اس نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ پیرس کے امیر اور فیشن ایبل لوگ کس طرح کی زندگی گزارتے تھے "اب ہم لوگ اور بھی سختی سے اس کے خلاف لڑیں گے" اس نے کہا اور اس کے بعد ڈلفن کے ساتھ ڈنر کھانے کے لئے چلا گیا۔

●

ایمل زولا

نانا

۲ر اپریل ۱۸۴۰ء کو ایمل زولا کا جنم ایک اطالوی گریک انجینئر کے گھر ہوا۔ والدہ فرانسیسی تھیں۔ آپکی تعلیم و تربیت ایکس میں ہوئی۔ ۱۸۵۸ء میں آپ پیرس میں بطور کلرک کام کرنے لگے اور ۱۸۶۲ء میں آپ کی پہلی کتاب شائع ہوئی ۱۸۶۶ء میں آپ ایک زبردست نقاد کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ یہاں وہاں ادب اور دیگر فنونِ لطیفہ پر آپ کے تنقیدی مضامین شائع ہونے لگے اور یہ تنقید آپ نے اپنے ناولوں اور دیگر کتابوں میں بھی جاری رکھی۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۲ء کو آپ کے شبستان میں ایک خراب اسٹوو کی وجہ سے گیس بھر گئی اور اسی سے آپ کی موت ہو گئی

"نانا" آپ کا بین الاقوامی شہرت کا ناول ہے جس میں آپ نے اس وقت کے فرانسیسی سماج کی نام نہاد شان و شوکت اور جنسی کجروی کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے ہیں۔

EMILE ZOLA

NANA

اس وقت ورائٹی تھیٹر میں دی بلانڈ وینس نامی ڈرامہ ہونے والا تھا۔ تھیٹر کا منیجر بوردی نیو بے حد مصروف تھا۔ ملے ایفوچیری نامی اخبار نویس نے دیہات سے آئے ہوئے اپنے ایک رشتہ کے بھائی کا اس سے تعارف کرایا۔ بوری نیو اپنے تھیٹر کو چکلہ کہا کرتا تھا۔ اور اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کے یہاں ایک نئی اداکارہ آئی تھی۔ اس کا نام نانا تھا۔ اور پورے پیرس میں اس کی دھوم مچ گئی تھی حالانکہ نہ وہ گانا جانتی تھی اور نہ ہی اسے اداکاری آتی تھی۔ البتہ حسن میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

آج چونکہ ڈرامے کا افتتاح تھا اس لئے بے پناہ ہجوم امڈ آیا تھا۔ سٹینر بنکر بھی موجود تھا جس کی محبوبہ روز منن نانا کے ساتھ اداکاری کیا کرتی تھی۔ اس دن روز منن کا شوہر سٹینر کے ساتھ تھا۔ اس کا کام تھا بیوی کے عشقیہ معاملات کے لئے سہولت بہم پہنچاتا۔ داگونیے نامی نوجوان عورتوں پر اپنی تمام تر دولت ٹاپچ کا تھا۔ اور وہ نانا کا محبوب دوست سمجھا جاتا تھا۔ لوسی سٹیورڈ اور گوگا نامی مشہور طوائفیں بھی وہاں موجود تھیں۔ دربار کا چیمبرلین کاؤنٹ مفت دے بیوبلے اپنی بیوی اور سسر کے ساتھ موجود تھا۔ بیوردنیتھ اور کاؤنٹ دی وبندورس بھی وہاں موجود تھے۔ ڈرامے میں اولمپس کے دیوتاؤں کا مذاق اڑایا گیا تھا لیکن ابھی تک نانا اسٹیج پر نہیں آئی تھی اور تماشائی اسے دیکھنے کے لئے بے چین ہو رہے تھے بالآخر اپنا پارٹ آنے پر وہ لہراتی بل کھاتی

سٹیج پر آئی۔ اس کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ اور اس کے شانوں پر سنہری زلفیں لہرا رہی تھیں۔ اپنی عمر کے لحاظ سے اس کا قامت بھی زیادہ تھا اور جسم کی رعنائی بھی۔ اس کی آمد کے ساتھ ہی ایک نوجوان چلا اٹھا۔ ہائے مار ڈالا" اور بہت سی آوازیں اس آواز میں شامل ہو گئیں۔" ہائے مار ڈالا۔ قتل کر دیا ظالم نے۔ ہائے ہائے"......

اس وقت وہ بہت ہی کم کپڑے پہنے ہوئی تھی اور لوگوں کی نظریں اس کے جسم پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔ اور پھر آخری سین آگیا۔ اس ایکٹ میں نانا کے جسم پر ایک بھی کپڑا نہیں تھا۔ صرف اس کی لمبی زلفیں اس کے جسم کی ممکنہ پردہ پوشی کر رہی تھیں۔ اس منظر کو دیکھ کر کسی کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکلا۔ مرد گنگ ہو کر آگے کی طرف جھک گئے۔ ان کے نتھنے سکڑ گئے۔ اور انہیں اس مسکراتی ہوئی لڑکی میں سے نسوانی جنس جیسے اڑ اڑ کر باہر نکلتی دکھائی دینے لگی۔ شہوانی جذبات کو مشتعل کرنے والی نانا کی وہ مسکراہٹیں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے وہ مردوں کو تہہ و بالا کرنے پر تل گئی ہوں۔

دوسرے دن نانا کی قیامگاہ پر چھوٹے بڑے ہر عمر کے آدمی جمع تھے۔ نانا کو جن دو اشخاص نے یہ جگہ دلائی تھی اس وقت ان میں سے کوئی بھی وہاں نہیں تھا اس لئے نانا نے کسی سے بھی ملنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت اسے اپنے بچے کی فکر ہو رہی تھی۔ جو اس کے سولہویں برس میں پیدا ہوا تھا۔ وہ اپنی ملازمہ جو سے باتیں کرتی رہی یہ ملازمہ مادام ترکین کے یہاں سے اس کے ساتھ آئی تھی۔ بال بنانے والا فرانسس آیا۔ نانا نے جلدی سے کپڑے بدلے اور ایک گھنٹہ کے لئے وہ ایک شخص کے پاس گئی۔ جس سے وہ اپنی ضرورت کے مطابق چار سو فرانک لے آئی جو کوئی بھی تھیٹر میں گیا تھا۔ وہ نانا سے ملنے کا خواہشمند تھا۔ اس لئے وہ بڑی

مشکل سے باورچی خانہ کے راستہ سے نکل کر شام کے ڈرامے کے لئے جا سکی۔ منگل کی شام کو مفت لوگوں کے یہاں پیرس کے اعلیٰ طبقے کے لوگ جمع ہوا کرتے تھے خوجری اس افواہ میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا کہ سیبسن نامی مشہور کاؤنٹس کا بھی ایک عاشق تھا۔ اخبار نویس دوسرے دن آدھی رات کو نانا کے یہاں کھانے پر لوگوں کو مدعو کر رہا تھا۔ لیکن کاونٹ اور بوڑھے مارکوئس نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔

نانا کے ڈرائنگ روم میں بہت سے بن بلائے مہمان بھی آ گئے تھے بوڈی بو کے پاؤں میں چوٹ لگ گئی تھی اس لئے وہ دو کرسیاں جوڑ کر بیٹھا۔ جارج ہیوگن اسکول کا وہ طالب علم جس نے ہال میں پہلی آواز لگائی تھی "ہائے مار ڈالا"۔ داگوبیتے کے پاس بیٹھا تھا اور داگوبیتے اسے وہاں آئی ہوئی عورتوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔ سٹینر، جس کا سٹہ بازار میں بڑا دبدبہ تھا اس طرح نانا کے پاس بیٹھا تھا جیسے مچھلی کانٹے میں پھنس گئی ہو۔ اور نانا جو بھی اپنی قیمت مقرر کرے گی۔ وہ فوراً ادا کر دے گا۔ روز میں اپنے ایک عاشق سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے غم کے بجائے خوجری سے چہلیں کر رہی تھی۔ جو اس کے متعلق اخباروں میں خبریں نکلوا سکتا تھا۔ محفل صبح ہونے تک جمی رہی اور بالآخر شراب کے نشے میں دھت وہ لوگ آپس میں جھگڑتے ہوئے چلے گئے۔

چند ہفتوں کے بعد سٹینر نے نانا کے لئے ہیوگن کے گھر کے پاس لا آرٹ میں دیہات کا ایک بڑا مکان خرید دیا۔ نانا کچھ دنوں کی چھٹی لیکر وہاں چلی گئی اور پھر اس نے اپنے سب دوستوں کو وہاں مدعو کیا۔ اس دوران میں کاؤنٹ مفت اور اس کا خاندان مادام ہیوگن کے یہاں بطور مہمان آیا۔ کاؤنٹ کے ساتھ ایک راہب آیا تھا جو کچھ دن پہلے نانا سے مل چکا تھا اور اب اس کو دیکھ کر ڈھلتی عمر میں بھی ——

اس کی جوانی جاگ اٹھی تھی۔ نانا اگر ایک گھنٹہ کے لئے بھی اس کے ساتھ رہ سکتی تو وہ اس کے لئے کچھ بھی دینے کو تیار تھا۔

اپنے نئے گھر کی سجاوٹ دیکھکر نانا بہت خوش ہوئی۔ یہاں سب سے پہلے اسے جارج نامی نوجوان ملا۔ جس سے وہ بے حد متاثر ہوئی۔ کاؤنٹ مفت سے ملنے کی اُسے قطعی خواہش نہیں ہوئی کیونکہ مفت کی بے چینی اور جوش و خروش سے اسے خوف آتا تھا۔ سیبٹر کے لئے نانا بیمار بن گئی اور ایک ہفتہ تک وہ اس طرح جارج کے ساتھ رہی جیسے پندرہ برس کی کوئی نوخیز لڑکی اپنی پہلی محبت کی سرشاری میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی ہو۔ ایک دن جارج کی ماں نے جارج کو نانا کی بگھی میں دیکھ لیا اور پھر جارج کے بڑے بھائی فلپس نے اس کے لئے اسے بری طرح ڈانٹا۔ اس رات نانا نے اپنے آپ کو مفت کی آغوش میں سونپ دیا۔ اور پھر کچھ دن بعد وہ واپس اپنے کام پر آگئی۔ تین مہینے بعد کاؤنٹ مفت سے اس کا جھگڑا ہو گیا کیونکہ۔ کاونٹ مفت کو اس وقت تک اسبات کا علم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ ہی ساتھ نانا پر سیبٹر کا حق بھی چل رہا تھا۔ اس پر جب اس نے تھیٹر کے مزاحیہ ایکٹر فونتن کے ساتھ بھی اسے دیکھ لیا تو اسے غصہ آگیا۔ ادھر نانا کو فوچری پر بے حد غصہ آیا کیونکہ اس نے "سنہری مکھی" کے عنوان سے اخبار میں ایک مضمون لکھ مارا تھا اور اس میں اس نے ایک ایسی لمبی اور خوبصورت لڑکی کے بارے میں تحریر کیا تھا جو پیرس کی گندی گلیوں سے نکل کر پیرس کے اعلیٰ طبقے کو بگاڑ رہی تھی۔ برباد کر رہی تھی۔ مفت سے جھگڑا ہونے پر نانا نے مفت کو طعنہ دیا کہ فوچری مفت کی بیوی کو بہکا رہا تھا اور اگرچہ یہ بات صحیح تھی لیکن اس کا کوئی مصدقہ ثبوت نہ مل سکا۔

اب نانا فونتن کے عشق میں گرفتار ہو گئی۔ فونتن اسے پیٹتا تھا اور اس کی

ساری آمدنی بھی چٹ کر جاتا تھا۔ فونتن کی مالی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہی وہ سڑکوں پر ماری ماری پھرنے لگی۔ ان دنوں ایک معصوم صورت طوائف سائن اس کی دوست تھی۔ اس دوران میں پولیس نانا کے پیچھے لگ گئی۔ وہ اس کی گرفت سے بال بال بچی اور اپنی حفاظت کی خاطر ہی اسے پھر سے کاؤنٹ مفت سے دوستی کرنی پڑی۔ وہ صرف اور صرف کاؤنٹ کی ہو کر رہے، اس کے لئے کاؤنٹ کچھ بھی کرنے کے لئے تیار تھا۔ ایک طرح کے سودے کی شکل میں ہی نانا کے لئے پارک مونشیو کے قریب ایک بہت بڑی عمارت حاصل کرلی گئی۔ ڈیوک کے خرچ پر کئے گئے بوردی نیو کے ایک نئے ڈرامے میں نانا کو ایک ڈچس کا کردار دیا گیا۔ اس ڈرامے میں نانا بری طرح ناکام رہی لیکن اب وہ اپنی دنیا کی ملکہ بن گئی تھی۔ اس کا گھر بہترین ساز وسامان سے مرصع تھا۔ فرش پر ریچھوں کی کھالیں بچھا دی گئی تھیں۔ بیشمار نوکر چاکر اور پانچ گاڑیاں اس کی تحویل میں تھیں اور خود اس کی ذات پر تین لاکھ فرانک خرچ کئے جاتے تھے۔ اب نانا مفت کے تئیں اپنی شوہر پرستی دکھانے لگی یہاں تک کہ کبھی کبھی اسے اسکے گھریلو معاملات میں بھی مشورے دینے لگی۔ لیکن پھر کچھ ہی دن بعد کاؤنٹ دی وبندوورس کی جائداد پر اسکی نظریں لگ گئیں اور وہ اس کا بھی بے دریغ استعمال کرنے لگی۔ اس کے بعد جارج کا بھائی فلپ اس کے پاس آنے لگا جسے دراصل جارج کو نانا کے چنگل سے بچانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

ہر وقت مردوں کے ہجوم میں گھری رہنے سے رفتہ رفتہ نانا عاجز سی آنے لگی اور چونکہ اس کے گھر میں دولت چاروں طرف سے برستی تھی اس لئے برساتی بادلوں کی امید پر وہ قرض پر قرض لینے لگی کسی طرح وقت نکال کر وہ اپنے بیٹے لوئی کے پاس بھی جاتی تھی۔ جو اکثر بیمار رہتا تھا۔ اور کچھ گھنٹوں

کے لئے اسے ماں کی ممتا دے آتی تھی۔ اس کے بعد نانا کو پینشن مل گئی اور وہ اسے اپنے گھر میں لے آئی اور مردوں نے سیشن میں نانا کا جواز ڈھونڈ نا شروع کر دیا۔

جون کا مہینہ تھا۔ اتوار کے دن لانگ چیمس میں پیرس کی سب سے بڑی انعامی گھوڑ دوڑ ہونے والی تھی۔ کاؤنٹ وینڈورس کی ساری جائیداد تباہ ہو چکی تھی۔ لوسی گنن نامی ایک مشہور گھوڑے پر اس نے اپنا داؤ لگایا۔ اور ایک گھوڑی کا نام اس نے نانا رکھ دیا۔ گھوڑ دوڑ کے اس ہجوم میں نانا بھی موجود تھی جو اپنی گاڑی میں بیٹھی لوگوں کو شیمپئن ایسی قیمتی شراب پلاتی ہوئی گویا اپنا دربار کر رہی تھی گھوڑ دوڑ شروع ہوئی اور نانا نامی گھوڑی پیچھے سے نکل کر آگے آگئی۔ اس بے پناہ ہجوم میں نانا۔ نانا، گونجنے لگا۔ وینڈورس نے نانا نامی گھوڑی پر لوگوں کے داؤ لگوا دیئے تھے۔ لیکن اپنا پیسہ اس نے لوسی گنن نامی گھوڑے پر لگایا تھا۔ یہ راز کھل گیا۔ اور وہ بدنام ہو گیا۔ اور اس بدنامی نے اسے برباد کر دیا۔

کچھ دن بعد نانا بہت بیمار ہو گئی۔ اس کا اسقاط حمل ہو گیا تھا بستر علالت پر پڑے پڑے اس نے کوشش کی کہ مفت اور اس کی بیوی میں صلح ہو جائے اور بالآخر ان دونوں میں ملاپ ہو گیا۔ مفت نے دیکھا کہ نانا اب جارج کی باہوں میں تھی اور اپنی زندگی کے بارے میں بالکل بے پروا ہو گئی تھی ملازمین اسے دھوکا دیتے تھے اور بے وقوف بناتے تھے بہت ہی معمولی معمولی چیزوں پر وہ ہزاروں فرانک تک صرف کر دیتی تھی۔ اور پھر وہ چیزیں بڑی لاپروائی سے توڑ دی جاتی تھیں۔ بڑے بڑے بل بغیر چکائے پڑے تھے اور قرض میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران میں جارج گرفتار کر لیا گیا کیونکہ نانا کو دینے کے لئے اس نے اپنی ارجنٹ سے بارہ ہزار فرانک چرائے تھے۔ اور پھر جب

جارج کو اس بات کا پتہ چلا کہ نانا کا اس کے بھائی فلپ سے بھی تعلق تھا تو اس نے نانا کے شبستان میں اپنی چھاتی میں چھرا بھونک لیا۔ لیکن وہ مرا نہیں۔ مادام ہیوگن اس واقعہ سے صم بکم رہ گئی۔ اور علاج اور خدمت کے لئے جارج کو اپنے ساتھ لے گئی۔

اب نانا نے کاؤنٹ مفت کے تئیں اپنی تمام تر توجہ مرکوز کرنے کا بہانہ ترک کر دیا۔ لوگ ہر وقت اس کے پاس کھلے عام آنے لگے اور وہ یکے بعد دیگرے ان سے رقمیں وصول کرنے لگی۔ کاؤنٹ یہ سب سنتا اور دانت پیس کر رہ جاتا۔ ایک طرح سے وہ نانا کی تفریح کا کتا بن گیا تھا لیکن اب مفت کا بھی خاتمہ ہونے والا تھا۔ ایک دن اسے معلوم ہوا کہ اس کا سسر مارکوئس بھی نانا کے پاس آنے لگا تھا اور اس نے بھاگ کر گرجا میں سکون تلاش کرنے کی کوشش کی۔

تبھی نانا کو پتہ چلا کہ جارج مر گیا تھا۔ نانا جس کسی کو چھوتی تھی تہس نہس ہوتا تھا لیکن نانا اب بھی اتنی ہی خوبصورت اور صحت مند تھی لیکن پھر رفتہ رفتہ جیسے اس پر پاگل پن سوار ہو گیا ہو۔ اس نے اپنا گھر نیلام کر دیا۔ چھ لاکھ فرانک لے کر وہ بیرونی ممالک کی سیاحت پر نکل گئی اور لوگوں کو اس کی سیاحت کی خبریں ملنے لگیں۔ کئی مہینے بعد نانا کو اطلاع ملی کہ لوتی بے حد بیمار تھا۔ وہ اسے دیکھنے کے لئے فوراً واپس لوٹ آئی اور اس کی تیمار داری کے دوران ہی چیچک سے اس کی موت ہو گئی۔ اسکی موت کے وقت اس کی پرانی ساتھی عورتیں وہاں موجود تھیں لیکن مرد بیماری کی وجہ سے خوف زدہ تھے اور وہ اس کے قریب نہیں جا رہے تھے۔ سب سے آخر میں روز مِنن گئی۔ ٹھیک اسی وقت باہر لوگوں کا ہجوم چلاتا ہوا جا رہا تھا ـــــ برلن چلو' فرانس کی پرشیا سے جنگ چھڑ گئی ہے۔

●

فلابیئر

اُدھورا خواب

گستاؤ فلابیئر ۱۲ دسمبر ۱۸۲۱ء کو بربون (فرانس) میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد مویشیوں کے ڈاکٹر تھے۔ جوانی میں قدم رکھتے آپ نے فیصلہ کرلیا کہ آپ ادیب بنیں گے۔ اپنی والدہ کے تئیں آپ کا لگاؤ اتنا زیادہ تھا کہ آپ نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ کچھ عرصہ پیرس میں رہنے کے بعد آپ بربون کے قریب کروسٹ نامی جگہ میں رہنے لگے۔ وہاں لوئزے کولٹ نامی ایک عورت سے آپ کو محبت ہوگئی۔ لیکن کولٹ بھی آپ کو شادی کے لئے مجبور نہ کرسکی۔ آپ دن رات تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے۔ اور بے حد شراب پیتے تھے۔ زیادہ کام اور زیادہ شراب نے آپ کی صحت پر بہت برا اثر کیا۔ اور بالآخر ۱۸۸۰ء میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

مادام بوواری (ادھورا خواب) فلابیئر کا بین الاقوامی شہرت کا ناول ہے۔

GUSTAVE FLAUBERT

MADAME BOVARY

فارم ہاؤس کی سڑک کے اس پار ایک آدمی کھڑا تھا۔ وہ بار بار باورچی خانے کی کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے دل کی دھڑکن تیز تر ہوتی جا رہی تھی پھر ایک کھڑکھڑاہٹ سی سنائی دی اور کھڑکی زور سے کھل گئی۔ ایک مدت کے بعد آج اس کی امیدیں بر آئی تھیں کھڑکی کھلتے ہی شارلس بواری کو معلوم ہو گیا کہ بالآخر ایما روالٹ نے اس کی بیوی بننا قبول کر لیا تھا۔ آپس میں انھوں نے یہی اشارا طے کر رکھا تھا کہ جس دن وہ جھٹکے کے ساتھ باورچی خانے کی کھڑکی کھول دے گی۔ اس دن گویا وہ شارلس کی شادی کی تجویز منظور کر چکی ہو گی۔

ایما چاہتی تھی کہ اس کی شادی آدھی رات کے وقت ہو اور چاروں طرف چراغوں کی روشنی پھیلی رہے۔ لیکن شارلس کا باپ ایک کسان تھا اور روایات کی پابندی کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس نے روایات کے مطابق ہی اپنے بیٹے کی شادی کی۔

شادی کے دوسرے دن دولہا دلہن ٹاسٹیز چلے گئے جہاں شارلس حکمت کرتا تھا۔ ایک بار اس نے ایما کے بوڑھے باپ روالٹ کے پاؤں کی ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑ دی تھی۔ اس لئے ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کا کافی شہرہ ہو گیا تھا۔ ایما اور اس کے باپ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ ایک معمولی سی چوٹ تھی جس سے ہڈی ذرا سی چٹخ گئی تھی۔

ایما سے شادی کر کے شارلس کو جیسے دنیا جہاں کی مسرتیں مل گئی تھیں وہ اس کی ہر ہر ادا پر قربان سا ہو جاتا۔ اب تک اسے زندگی میں ملا ہی کیا تھا

جب وہ اسکول میں پڑھتا تھا تو اسے ہمیشہ اس بات کا قلق رہتا تھا کہ اس کے ہم جماعت اس سے زیادہ امیر اور عقلمند تھے۔ وہ اس کے دیہاتی لب و لہجے اور لباس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ بعد ازاں جب وہ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے لگا تو بھی اس میں کبھی اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ کسی دوکان میں کام کرنے والی لڑکی کو ایک دن بھی اپنے ساتھ گھمانے پھرانے کے لیئے لے جا سکتا۔ اس کی کوئی محبوبہ نہیں تھی اور جب اس نے اپنی تعلیم مکمل کر لی تو اس کی والدہ نے ایک بیوہ کے ساتھ اسکی شادی کر دی۔ جو چودہ مہینے کے بعد اسے رنڈوا بنا کر چل بسی ــــ اور اب ایک مدت کے بعد اسے ایک حسین سہارا ملا تھا۔ ایسا جسے وہ پورے تن من سے چاہتا تھا۔ اس عورت کے بغیر اسے پوری دنیا سنسان نظر آتی تھی اور حالانکہ وہ ایما کو اس کی انگلیوں کی پوروں سے لیکر کندھوں تک اور کندھوں سے لیکر رخساروں تک چوم چوم کے پریشان کر دیتا تھا پھر بھی اسے احساس ہوتا تھا کہ جتنی محبت اسے ایما سے کرنی چاہیئے اتنی وہ نہیں کر رہا۔ ادھر ایما کی ذہنی کیفیت یہ تھی کہ وہ اس قسم کے پیار کو ایک کھیل سا سمجھتی تھی۔ شادی سے پہلے وہ سمجھتی تھی کہ اسے شارلس سے محبت تھی لیکن شادی کے بعد اسے وہ مسرت نہیں ملی جس کی وہ متمنی تھی اور اسے محسوس ہونے لگا کہ شارلس سے شادی کر کے اس نے غلطی کی تھی۔ اسے اس بات پر بے حد تعجب ہوتا تھا کہ کتابوں میں جو اتنے خوبصورت الفاظ مندرج تھے ــــ عشق، رومانس، نفسانی کا جوش و خروش وغیرہ ــــ وہ سب اس کی زندگی میں کیوں نہیں آئے۔

تیرہ برس کی عمر میں اس کے والد نے اسے ریون کانونٹ میں بھیج دیا تھا۔ شروع شروع میں تو اسے وہاں کا ماحول بہت پسند آیا۔ شائستہ راہبائیں لوبان کی مہک اور پھولوں کی کیاریاں ــــ اور اس پر ایک عجیب سی سرمستی چھا

جاتی۔ اس کے بعد گناہوں کے اقرار کی باری آئی۔ یہ کام اسے اتنا اچھا لگا کہ گناہ نہ کرنے پر بھی وہ چھوٹوں جھوٹے ان کا اقرار کرنے لگتی اور جب وہ ناصحوں کے منہ سے دائمی، شادی، دولہا، دولہن وغیرہ کے الفاظ سنتی تو اس کی روح میں مٹھاس سی مٹھاس بھر جاتی ـــــ ایک بڑھیا جو ان کے کپڑوں کی مرمت کرنے آتی تھی۔ بڑی لڑکیوں کو چوری چھپے ناول مہیا کیا کرتی تھی۔ ان ناولوں میں ایسی عورتوں کا ذکر ہوتا تھا جن کے انگ انگ سے نفسانی خواہشات پھوٹتی تھیں ـــــ گھنے جنگلوں میں آہیں بھرنا۔ آنسو بہانا اور قسمیں کھانا۔ ان ناولوں میں پڑھے ہوئے یہ مناظر اکثر ایما کی نظروں کے سامنے آموجود ہوتے۔ اور وہ کاونٹ جو ایک طرف میمنے کی طرح بے ضرر اور ملائم ہوتے تھے۔ اور دوسری طرف شیروں سے بھی زیادہ بہادر۔ اس زمانے میں اس نے ایسی کتابیں خوب پڑھیں ـــــ لیکن جب اس کے والد اسے لینے کے لئے آئے تو کانونٹ چھوڑتے ہوئے اسے قطعی افسوس نہیں ہوا۔ اب گرجا اسے صرف اس لئے اچھا لگتا تھا کہ اس میں پھولوں سے بھرا ہوا ایک باغیچہ تھا۔ لیکن دعائیں، زندگی کی عامیانہ روش اور کڑی اخلاقی پابندیاں اسے اچھی نہیں لگتی تھیں۔ گھر آنے پر پہلے تو اس نے گھر والوں پر حکم چلا کر مسرت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن پھر جلد ہی وہ زندگی کی یک رنگی سے اکتا گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس دنیا میں مزید کچھ سیکھنے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی اور اس کے تمامتر خواب چکنا چور ہو گئے تھے ـــــ شارلس کے آنے پر اس میں ایک تبدیلی ضرور آئی تھی اور اس نے اپنے دلی جذبات کو محبت نام کی اس چیز میں ڈھالنے کی کوشش کی تھی۔ جس کے بارے میں وہ اب تک کتابوں میں پڑھ چکی تھی۔ ـــــ لیکن اب، شادی کے بعد وہ دیکھ رہی تھی کہ شارلس اپنے کلبے نکلی

کوٹ، نوکیلے ڈیپ اور تنگ جوتوں میں وہ شخص نہیں تھا۔ جو اس کے خوابوں میں بسا ہوا تھا۔ اس کے خوابوں کا شوہر کوئی اور ہی تھا۔ شارلس کی گفتگو اسے ایسی لگتی تھی جیسے سڑک پر شور و غل ہو رہا ہو۔ وہ اس کے اندر کوئی جذبہ جگانے میں بھی کامیاب نہیں ہوتا تھا۔ ایما سوچتی تھی کہ مرد کو تو ہر فن مولا ہونا چاہیئے۔ ایسا ہونا چاہیئے کہ اس میں نفسانی خواہشات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو اور وہ عورت کو اس کے پار پہنچا سکے۔ اسے زندگی کی تمامتر خوبصورتیوں اور نزاکتوں کا علم ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ عورت کے دلی جذبات کو سمجھ سکے اور ان کا احترام کر سکے لیکن یہ آدمی ــــ شارلس نہ تو کچھ سمجھ سکتا تھا اور نہ ہی اسے سمجھنے کی خواہش تھی وہ تو بس ایک ہی چیز جانتا تھا کہ جو پرسکون رہن سہن اس نے ایما کے لئے فراہم کر دیا تھا۔ وہ اس کے لئے بہت کافی تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ ایما کو اسی بات سے چڑ تھی وہ اسے اپنی زندگی کا ماحصل نہیں سمجھتی تھی۔

اپنی طرف سے اس نے بہت کوشش کی کہ وہ شارلس سے محبت کر سکے چاندنی راتوں میں اٹھ اٹھ کر وہ اسے باغیچہ میں لے جاتی اور محبت اور شہوت بھرے گیت سناتی طرح طرح سے اسے رجھانے کی کوشش کرتی لیکن شارلس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا بالآخر وہ اس افسوسناک نتیجے پر پہونچ گئی کہ شارلس میں سرے سے ہی محبت کی گرمی اور گہرائی نہیں تھی۔

انہیں دنوں ودیبار کے مارکوئس دانڈریلیے نے ان میاں بیوی کو اپنے یہاں رقص و سرود کی محفل میں مدعو کیا۔ وہاں کی شان و شوکت دیکھ کر ایما ششدر رہ گئی اور وہاں کی ہر بات سے اتنی زیادہ متاثر ہوئی کہ واپس لوٹنے کے بعد اس محفل کے بارے میں سوچتے رہنا ایک طرح سے اس کا کام ہو گیا۔ سوتے سوتے وہ

ہڑبڑا کر جاگ اٹھتی اور اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتی۔ وہ ایک ہفتہ پہلے ہی وہاں گئی تھی۔ مجھے وہاں گئے پندرہ دن ہو گئے۔ آج تین ہفتے ہو رہے ہیں۔ رقص کی اسی محفل میں ملے ہوئے لوگوں کے چہرے اس کے ذہن میں آہستہ آہستہ دھندلے پڑ گئے۔ وہاں سنی ہوئی موسیقی کی دھنیں بھی واضح طور پر یاد نہ رہیں لیکن مجموعی اعتبار سے وہ اس محفل کی رنگینیوں کو فراموش نہ کر سکی۔

شادی کے آغاز میں ایما پیانو بجا کر اپنا دل بہلایا کرتی تھی۔ جب پیانو بجا کر تھک جاتی تو تصویریں بنانے لگتی۔ اور اس طرح اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتی۔ اسے اپنے حسن کا بھی ہر وقت احساس رہتا تھا اور وہ خوب بنی سنوری رہتی تھی اس نے تو اس بات کی بھی کوشش کی کہ دیہاتی لگنے والے شارلس کے بیان میں کچھ شہرت لا سکے لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کی عادات بدلنے لگیں۔ اس سے پہلے وہ گھر کے تمام مسائل خود دیکھتی تھی۔ اب اس نے سب کچھ ملازموں پر چھوڑ دیا۔ دن بھر وہ اپنے کمرے میں اداس پڑی رہتی اور اپنے بناؤ سنگار کی طرف بھی کوئی دھیان نہ دیتی اب اس کے گالوں پر بھی زردی چھا گئی تھی اور اکثر دل کی دھڑکن بھی تیز ہو جاتی تھی۔ اسے ایک طرح کے دورے پڑنے لگے تھے۔ اسکے تمام رویے میں بھی تبدیلی آ گئی تھی۔ یا تو وہ بہت زیادہ باتیں کرنے لگتی یا پھر ایکدم خاموش ہو جاتی اور ٹاسٹیز کی تو اس نے اتنی زیادہ برائی کی کہ بالآخر پریشان ہو کر شارلس نے وہ قصبہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ ایسا فیصلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ گزشتہ چار برس میں اس نے وہاں اچھی خاصی پریکٹس جما لی تھی لیکن چونکہ اب معاملہ بڑا پیچیدہ ہو گیا تھا۔ اس لئے ایک سمجھدار انسان کی طرح اسے ایسا فیصلہ کرنا پڑا۔ کافی دوڑ دھوپ کے بعد اس نے نیوچیٹل نامی قصبے میں جگہ ڈھونڈ لی۔ جب ان لوگوں نے ٹاسٹیز چھوڑا مادام بوواری

حاملہ تھی۔۔

اس وقت اندھیرا ہو چکا تھا جب وہ لوگ اپنے نئے گھر میں پہنچے۔ آج زندگی میں چوتھی بار وہ ایک نئی جگہ میں سو رہی تھی۔ پہلی بار کانونٹ میں پھر ماں جیز میں اس کے بعد دو بیار میں اور اب یہونوچیل میں ۔۔۔ رات کو ایسے تانگے کے گھر کے علاوہ کسی نئی جگہ پر۔ ان میں سے ہر رات نے اس کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا تھا اور گذرے ہوئے کل کی نسبت آنے والا کل بہتر ہی ثابت ہوا تھا۔ اور اسی لئے اسے امید تھی کہ آئندہ بھی جو کچھ ہو گا وہ پہلے سے اچھا ہو گا لیکن نئی جگہ کی وجہ سے شارلس کو کافی پریشانی اٹھانی پڑی۔ یہاں بہت کم مریض آتے تھے ایما کے کپڑوں پر اس نے حال ہی میں کافی بڑی رقم خرچ کر دی تھی اور پھر نیا گھر بسانے میں بھی کافی پیسے خرچ ہو گئے تھے۔ لیکن جب وہ عنقریب ماں بننے والی ایما کی طرف دیکھتا تو اس کا دل خوشی اور ممنونیت کے جذبے سے بھر جاتا۔ ادھر ایما کے دل میں بھی ایک طرح کی ہل چل مچ گئی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ ماں بننے کے بعد وہ کیا محسوس کرے گی۔ اس کی تمنا تھی کہ اس کے یہاں بیٹا پیدا ہو ۔۔۔ ایک خوبصورت اور صحت مند بیٹا۔ تاکہ اسکے پیار میں وہ اپنی زندگی کی تمام کمیوں اور محرومیوں کو بھلا سکے۔ بیٹے کا یہ تصور اس کے لئے بڑا مسرت کن تھا لیکن قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ بیٹے کے بجائے ایما کے یہاں بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام برتھ رکھا گیا۔

یہاں ہومے نامی ایک دوا فروش کے ساتھ ایما کی ملاقات لیو نامی ایک نوجوان سے ہوئی جو وکالت کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اس سے ملنے پر ایما کو ایک عجیب قسم کی مسرت محسوس ہوئی۔ ایما کی طرح وہ بھی پیرس کا دیوانہ تھا۔ اور نیز ایما ہی کی طرح اسے جرمن زبان کے المیہ گیت بہت پسند تھے۔

اس کے علاوہ اس کی زندگی میں موسیقی، رقص اور خوبصورت لباسوں کا ایک خاص مقام تھا۔ جو ہمیشہ ایما کے تصورات میں بسے رہتے تھے۔ گاؤں کی رہائش اور گاؤں کے لوگ اسے قطعی پسند نہیں تھے ـــــــ اور اسی لئے ایما ایسی حسین عورت کو وہاں دیکھکر اسے تعجب اور مسرت ہوئی اسے محسوس ہوا جیسے صحیح معنوں میں اس کی زندگی کا آغاز اب ہوا ہو اور وہ طرح طرح کے بہانوں سے ایما سے ملنے لگا۔ دوا فروش ہومے کے یہاں اکثر اس کی ملاقات ہو جاتی جہاں شارلس ہومے سے چوسر کھیلنے آتا تھا۔ وہ دونوں چوسر کھیلنے میں مصروف ہو جاتے اور ایما اور لیو آتشدان کے سامنے ان لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے مختلف رسالوں میں سے تصویریں دیکھتے رہتے یا کتابوں میں سے محبت کے گیت پڑھتے رہتے، اس طرح ان دونوں میں ایک خاص قسم کا لگاؤ ہو گیا۔ اس بڑھتی ہوئی دوستی کو دیکھکر شارلس کے دل میں کوئی برا خیال نہیں آیا کیوں کہ حسد نام کی چیز اس کی فطرت ہی میں نہیں تھی۔ اچانک ایما کو محسوس ہوا جیسے وہ اس خوبصورت نوجوان سے محبت کرنے لگی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز بھی اٹھنے لگی "کاش ایسا ہو سکتا"! اور پھر وہ خود ہی اس آواز کا جواب دینے لگی کہ آخر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ ضرور ہو سکتا ہے اسے روک ہی کون سکتا ہے۔

اس خیال محض سے ہی کہ وہ محبت کرنے لگی ہے اس میں ایک نئی تبدیلی آگئی۔ اب بے مصرف طور پر لیٹے رہنے کے بجائے وہ بڑی تندہی سے گھر کی دیکھ بھال کرنے لگی۔ اس سے پہلے برتھ کی دیکھ بھال ایک آیا کرتی تھی اب اس نے یہ کام بھی اپنے ذمہ لے لیا۔ اپنے شوہر میں بھی وہ بڑی دلچسپی دکھانے لگی۔ یوں بظاہر طور پر وہ بڑی پُرسکون، سنجیدہ اور منکسر معلوم ہوتی تھی۔ لیکن

اس کے اندر نفرت اور غصے کے طوفان برپا ہو گئے تھے اور ان کا مرکز تھا شنارس۔ کبھی کبھی وہ یہ بھی سوچتی کہ اگر شنارس اسے پیٹتا یا اپنے سے نفرت کرنے کا کوئی جواز فراہم کر دیتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ اور اسی لئے بعض اوقات اسے اپنے ان خیالات سے خوف آنے لگتا۔ وہ اپنے آپ کو گری ہوئی سی محسوس کرنے لگتی۔ اس ذہنی تذبذب سے نجات پانے کے لئے اس نے گرجے کا رخ کیا۔ لیکن بیچارا پادری پہلے سے ہی لوگوں کے ہاتھوں بے حد پریشان اور مصروف تھا۔ پھر ایما کی پہیلیوں جیسی باتیں بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ جب وہ یہ ہی نہیں سمجھ پاتا تھا کہ وہ چاہتی کیا تھی تو پھر اس کا دکھ کیسے دور کرتا!

لیو کی کیفیت اس کے برعکس تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ ایما بڑی پاکباز عورت تھی اور اس وجہ سے اسے حاصل کرنا ناممکن تھا۔ اور اسی لئے اس نے اسے حاصل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ایسا کرتے ہوئے بھی اس نے اپنے دل میں اسے میڈونا کا مقدس لقب دیا جسے بری نیت سے دیکھنا یا چھونا گناہ کبیرہ تھا۔ اس کے بعد اس کے لئے وہاں رہنا مشکل ہو گیا اور اس نے پیرس جانے کا فیصلہ کر لیا۔

دوا فروش ہومے کے یہاں سے اس شخص کی روانگی ایک حادثے سے کم نہ تھی۔ کیونکہ نوجوانوں کو اپنی طرف کھینچے جانے والے دارالخلافہ کا خیال ایک بار پھر لوگوں کے ذہنوں پر منڈلانے لگا تھا۔ لیکن پیرس کی دلدادہ ہونے کے باوجود لیو کی رخصتی کے وقت ایما بے حد اداس تھی اور یہ دیکھ کر لیو کو محسوس ہوا کہ اس طرح دور ہو جانے پر گویا وہ اس کے اور زیادہ قریب آ گئی تھی۔ یہی کچھ ایما کے ساتھ بھی ..... ہوا۔ اس کے تصورات میں لیو کا قد اور بھی اونچا ہو گیا۔ وہ اور بھی زیادہ خوبصورت نظر آنے لگا اور جیسے اس میں

پہلے سے زیادہ مرعوب کرنے کی قوت آگئی ۔۔۔ اسے محسوس ہوتا جیسے وہ ہر جگہ موجود تھا۔ اس کے تن من میں بس گیا تھا اور اسے افسوس ہونے لگا کہ اتنے دن تک ایک دوسرے کے اتنا قریب رہنے کے باوجود وہ کیوں ایک دوسرے کا جسمانی قرب حاصل نہیں کر سکے اس نے نیو کو اس بات کا موقع کیوں نہیں دیا اور یہ ذہنی اور جسمانی تشنگی اتنی شدید ہو گئی کہ اس کا جی چاہا کہ وہ اڑ کر بیرس پہنچ جائے اور "بس آگئی ہوں ۔۔۔ میں تمہاری ہوں" کہہ اسکی باہوں میں سما جائے لیکن وہ ایسا نہ کر سکی اور اس کے ردعمل کے طور پر اس کے دل و دماغ میں اور بھی زہر بھر گیا۔

جو کچھ ٹاسیٹر میں ہوا تھا، وہی سب کچھ یہاں بھی ہونے لگا اور وہ اپنے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ دکھی محسوس کرنے لگی۔ اب اسے اپنے دکھوں کا کہیں بھی خاتمہ نظر نہیں آتا تھا۔ اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ شادی کی بیدی پر شہید ہو گئی تھی اس لئے اسے من مانی کرنے کا پورا پورا حق حاصل تھا۔ اب وہ بے تحاشہ خرچ کرنے لگی۔ کپڑوں پر سنگار کی چیزوں پر اور ایسی معمولی چیزوں پر پانی کی طرح روپیہ بہانے لگی جن کی شاید اسے کبھی ضرورت نہ پڑتی تھی پھر اس نے اطالوی زبان سیکھنے کا ارادہ کیا اور اس کے لئے درجنوں ڈکشنریاں اور گرامر کی کتابیں خرید ڈالیں لیکن پڑھی ایک بھی نہیں۔ اس دوران میں اسے بے ہوشی کے بھی دورے پڑنے لگے اور وہ خون تھوکنے لگی۔ شارلس جب بوکھلا کر اس سے کچھ پوچھتا تو وہ سرسری سا جواب دے دیتی "کچھ بھی تو نہیں ہوا ۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔"

بدھ کے روز وہاں بازار لگتا تھا۔ اور ایما کھڑکی میں سے ہجوم کو دیکھا کرتی تھی۔ اس سے وقتی طور پر اس کی توجہ بٹ جاتی تھی۔ اور وہ اپنے آپ کو قدرے

ہلکا ہلکا سا محسوس کرنے لگتی تھی۔ اسی طرح ایک بدھ وار کو وہ کھڑکی میں کھڑی لوگوں کو آتے جاتے دیکھ رہی تھی۔ کہ اس کی نظر سبز مخملی کوٹ اور پیلے دستانے پہنے ہوئے ایک شخص پر پڑی جو اپنے ملازم کے ساتھ انھیں کے گھر کی طرف آ رہا تھا۔ شارلس کو اس شخص نے بتایا کہ اس کے ملازم کے خون میں کچھ خرابی ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ اس کا گندہ خون نکلوانا چاہتا تھا۔ شارلس جراحی کا کام کرنے لگا اور ایما نے بطور نرس اس کی مدد کی۔ سبز مخملی کوٹ اور پیلے دستانوں والے شخص سے باتوں باتوں میں اسے پتہ چلا کہ وہ قریب کی ایک چھوٹی سی ریاست ہاچیٹ کا زمیندار رودولف بولانجے تھا۔

رودولف جب ڈاکٹر کے گھر سے روانہ ہوا تو وہ بڑی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس مختصر سی ملاقات میں ہی مادام بوواری کے حسن نے جیسے اس پر جادو کر دیا تھا۔ اس کے موتیوں جیسے خوبصورت دانت، کالی آنکھیں سڈول ٹخنے، چھریرا بدن رہ رہ کر اس کے دل و دماغ میں افکل پتھل مچا رہا تھا وہ اپنے شوہر کے مقابلے میں کتنی مختلف تھی۔ ڈاکٹر تو بالکل احمق معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ناخون کتنے گندے تھے۔ اور کم از کم تین دن کی حجامت بڑھی ہوئی تھی۔ رودولف نے دل ہی دل میں ان کا موازنہ کیا اور اس نتیجے پر پہونچ گیا کہ وہ عورت لازمی طور پر اپنے شوہر سے اکتا چکی تھی۔ ایسی حسینہ کا اصل مقام تو پیرس تھا ــــ پیرس، جہاں وہ دعوتوں اور رقص و سرور کی محفلوں میں حصہ لیکر لوگوں پر بجلیاں گرا سکتی اور اپنی زندگی کا صحیح معنوں میں لطف اٹھا سکتی ــــ لیکن یہاں بڑے بڑے بیچاری تعریف کے دو جملوں کے لئے بھی ترس جاتی ہو گی۔ اگر کسی طرح وہ میری داشتہ بن کر رہ سکے تو زندگی کا لطف آجائے۔ لیکن اس میں بھی ایک خطرہ ہے۔ ایک بار اسے اپنی داشتہ بنانے

کے بعد اس سے پیچھا چھڑانا ناممکن ہو جائے گا۔۔۔ اور چونتیس سالہ تجربہ کار ردولف اس معاملہ کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں پر غور کرنے لگا وہ سوچنے لگا کہ اسے حاصل کرنے میں کیا کیا دشواریاں آسکتی تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی جب اسے اس کی آنکھوں کی یاد آتی وہ تڑپ اٹھتا اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ ایما کا رنگ سنہرا تھا۔ اور سنہرے رنگ پر ردولف جان دیتا تھا گھر پہنچتے پہنچتے ردولف نے تہیہ کر لیا کہ جیسے بھی ہو گا وہ ایما کو حاصل کر کے رہے گا۔

ایک زرعی نمائش میں دوسری بار ملے۔ میئر اور دوسرے معززین عوام کے سامنے دھواں دھار تقریریں کر رہے تھے۔ ردولف ایما کو یہ کہکر ٹاؤن ہال کے ایک کمرے میں لے گیا کہ وہاں سے یہ منظر زیادہ اچھی طرح دکھائی دے گا۔۔ اور پھر ٹاؤن ہال کے اس کمرے میں اس نے بڑے جذباتی انداز میں ایما سے اپنی محبت کا اظہار کر دیا۔ بتایا کہ کس طرح وہ اس کے رگ و پے میں بس گئی تھی۔۔ اور کس طرح وہ اس کی صورت دیکھنے دیکھنے کو ترس گیا تھا۔ بڑے فلسفیانہ انداز میں اس نے محبت اور اس کے راستے میں آنے والی رکاوٹوں پر بھی بحث کی۔ اس نے کہا کہ دنیا کی وسعت اور زندگی کے بہتے دھارے کے سامنے انسان کے تخلیق کردہ اصول اور پابندیاں کس قدر حقیر ہیں۔ محبت ہی اس دنیا کا فطری اور سب سے عظیم جذبہ ہے اور اس طرح اپنی لچھے دار باتوں سے اس نے ایما کی آنکھوں میں ایک خواب سا بن دیا۔۔ خوبصورت زندگی کا خواب جس میں چاروں طرف محبت ہی محبت تھی۔

اور اپنے سامنے بیٹھے ہوئے اس شخص کی کالی پتلیوں میں سے ایما

کو سنہری کرنیں پھوٹتی دکھائی دیں۔ اس کے بالوں میں وہی مہک بسی ہوئی تھی۔ جو وہ ویٹار میں رقص کرتے ہوئے اسے کاونٹ کے بالوں سے آئی تھی اور ایکا ایک ایما کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سامنے رودلف نہیں لیو بیٹھا تھا۔ لیو جسے وہ دل وجان سے محبت کرتی تھی اور وہ رفتہ رفتہ نڈھال اور مسحور سی ہوگئی۔ رودلف نے ہاتھ بڑھا کر اس کی انگلیاں پکڑ لیں۔ اور پھر دونوں کی انگلیاں آپس میں گتھ گئیں۔

اس کے بعد پورے چھ ہفتے تک رودلف نظر نہیں آیا۔

چھ ہفتے بعد جب ایک روز اچانک وہ شارلس کے یہاں جا پہنچا اور سیدھا اندر چلا گیا تو اسے دیکھتے ہی ایما کا رنگ فق ہوگیا۔ ویسے بھی وہ پچھلے کئی دن سے بیمار تھی۔ رودلف نے بڑی رواداری سے شارلس سے اس کی بیوی کی بیماری کے بارے میں پوچھا اور تجویز پیش کی کہ اگر وہ کھلی ہوا میں گھومے اور بطور ورزش اور تفریح گھوڑ سواری کرنے لگے تو اس کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔ اور تھوڑے سے بحث مباحثے کے بعد یہ طے ہوگیا کہ رودلف اس کے لئے گھوڑ سواری کا انتظام کردے گا۔

اور پھر گھوڑ سواری ہونے لگی —— اور اس کے ساتھ ہی وہ تنہائیوں میں بڑ بڑانے لگی " میرا بھی ایک چاہنے والا ہے جو مجھ سے محبت کرتا ہے" —— اور اسے محسوس ہونے لگا۔ جیسے وہ از سر نو جوان ہوگئی ہو اور اس احساس کے تحت وہ جوانی کے مزے لوٹنے لگی —— اب وہ دن دہاڑے کسی بھی چیز کی پروا کئے بغیر اپنے عاشق کے یہاں پہنچ جاتی اور اس کے لئے طرح طرح کے قیمتی تحفے اپنے ساتھ لے جاتی —— یہ تحفے چونکہ شارلس کی محدود آمدنی سے نہیں خریدے جاسکتے تھے۔ اس لئے وہ علاقے کے بنیوں

اور دوسرے سود خوروں سے قرض لینے لگی۔ اس دوران میں شارلس کی والدہ ان لوگوں سے ملنے کے لئے آئی وہ اپنے بیٹے کو سکھی دیکھنا چاہتی تھی لیکن جب اس نے ایما کے رویہ کو دیکھا تو اسے بے حد رنج ہوا۔ اور ایما کے ساتھ اس کی کہاسنی بھی ہوگئی۔ ادھر ایما نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہے گی۔ اس نے رودولف سے درخواست کی کہ وہ اسے کسی ایسی دور دراز جگہ پر لے جائے جہاں وہ بلا روک ٹوک ایک دوسرے سے محبت کر سکیں۔ رودولف اس کے لئے تیار ہوگیا اور ایما وہاں سے بھاگنے کی تیاری کرنے لگی۔ لیکن مقررہ تاریخ سے ایک دن پہلے اسے رودولف کا ایک خط ملا جس میں اس نے لکھا تھا کہ اسے اپنا ارادہ بدل دینا چاہیئے کیوں کہ گھر چھوڑنے کے کچھ عرصہ بعد ہی اسے افسوس ہونے لگے گا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ یہ خط پڑھکر ایما پر جیسے غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی اور اس نے کھڑکی سے کود کر خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ گھر والوں نے اسے بڑی مشکل سے اسے پکڑ کر روکا۔ گھر والوں نے اسے خودکشی کرنے سے تو روک لیا لیکن اس کے دل و دماغ کو جو جان لیوا صدمہ پہنچا تھا اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔ وہ تو جیسے بالکل پاگل ہوگئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ جان بر نہیں ہو سکے گی۔ یہ دیکھکر شارلس کی دنیا تاریک ہوگئی — اس اندوہناک خیال نے بچھو کے ڈنک دے دے کر اس کا برا حال کر دیا کہ اس کی بیوی جسے وہ دل و جان سے چاہتا تھا۔ عنقریب اس دنیا سے اٹھ جائے گی۔ اور پھر انہیں دنوں اس کے پاس ان دوکانداروں کے بل آنے لگے جن سے ایما نے رودولف کے لئے ادھار تحفے خریدے تھے۔ ایک تو ایما کی

بیماری کا خرچ اس پر ان بلوں کا بھگتان ـــ شارلس بہت زیادہ مقروض ہوگیا پھر بھی وہ خوش تھا کہ ایما روز بروز تندرست ہوتی جا رہی تھی اور جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی تو اس کا دل بہلانے کے لئے وہ اسے بویون لے گیا جہاں ایک شاندار ناٹک ہونے والا تھا۔

یہاں اوپرا ہاوس میں اتفاقاً لیو سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ پیرس میں اپنا مطالعہ ختم کرنے کے بعد وہ ایک وکیل کے یہاں کلرک ہو گیا تھا اور پہلے کے مقابلے میں کافی بالغ نظر آتا تھا۔ اس میں ایک طرح کی خود اعتمادی بھی آ گئی تھی۔ لیکن اس کی شرمیلی طبیعت میں زیادہ فرق نہیں آیا تھا۔ اور اس عرصے میں ایما بدستور اس کے دل و دماغ میں مقیم رہی تھی۔ وہ سوچا کرتا تھا کہ کیا دنیا کی کوئی ترکیب ایسی ہو سکتی ہے جس سے وہ اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے وہ اسے ایک شجر ممنوعہ معلوم ہوتی تھی جسے وہ پانا تو چاہتا تھا لیکن پا نہیں سکتا تھا۔ اور آج تین برس کے بعد اچانک ایما سے اس کی ملاقات ہو گئی تھی۔ جیسے تیسے اس نے شارلس کو اس بات پر راضی کر دیا کہ دوسرے دن کا ناٹک دیکھنے کے لئے ایما یویون میں رک جائے اور پھر موقعہ ملتے ہی اس نے اپنی پوری طاقت سمیٹ کر ایما سے اپنی محبت کا اظہار کر دیا۔ اس کی جدائی میں اٹھائے ہوئے رنج و غم کی تفصیل بتائی۔ "میں ہمیشہ تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہا ہوں،" بالآخر اس نے کہا۔

ایما چپ چاپ سنتی رہی اور پھر اس کے منھ سے بھی نکل گیا "کہ میں بھی ہمیشہ تمہارے بارے میں سوچا کرتی تھی۔"

...... اور اس طرح دونوں کی دیرینہ حسرتیں پوری

ہوگیئں۔۔۔۔۔

۔لیہرے نامی مہاجن نے اب شارلس کو پوری طرح شکنجے میں کس لیا تھا اور اپنا قرض وصول کرنے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنے لگا تھا۔ اس نے ایما کو مشورہ دیا کہ شارلس کی جائیداد اور کاروبار کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اس دوران میں شارلس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ اور اس کی جائیداد کے بارے میں اور لیہرے سے ہوئے اقرارنامے کے بارے میں کسی قانون داں سے مشورہ کرنے کی ضرورت پڑی۔ بچارے شارلس نے اسی مقصد کے لئے بھی بیوی کا نام لیا۔ اور ایما قانونی مشورہ لینے کے لئے روین گئی۔ اور پورے تین دن تک وہاں رہی۔ یہ تین دن گویا ان کے ہنی مون کے دن تھے اور جب وہ واپس لوٹی تو گویا اس کے جسم سے نغمے پھوٹ رہے تھے۔ اور پھر اس نے موسیقی کا درس لینے کے بہانے ہفتے میں ایک دن ۔۔۔ شکروار کو روین جانا شروع کردیا۔

ہر بار وہ اپنے عاشق کے پاس پہلے سے کہیں زیادہ اشتیاق اور بے چینی کے ساتھ جاتی تھی اور جاتے ہی اس بے باکی سے اپنے کپڑے اتارنے لگتی تھی جیسے وہ کپڑوں کو پھاڑ کر ان میں سے باہر نکل آنا چاہتی ہو۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن رفتہ رفتہ لیو کو یہ احساس ہونے لگا جیسے وہ ہر لحاظ سے اس پر حاوی ہوتی جارہی تھی۔ جسمانی طور پر بھی اور ذہنی اور روحانی طور پر بھی جیسے ایما اس کی رکھیل نہ تھی وہ خود ایما کا رکھیل تھا۔۔۔ اس کے علاوہ جس وکیل کے یہاں وہ کام کرتا تھا

اس نے بھی اسے تنبیہہ کی کہ وہ اس عورت کے چکر سے نکل آئے ورنہ اس کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ لیکن ایما پھر بھی مطمئن نہیں تھی دنیا جیسے اس کی خواہشات کے مقابلے میں بے حد محدود تھی۔ زندگی نے اسے کتنی امیدیں دکھائی تھیں لیکن وہ سب کی سب گویا سراب ثابت ہو رہی تھیں۔ ہر مسکراہٹ کے پیچھے آنسو جھلکتے تھے۔ ہر لذت میں غم پنہاں تھا ہر تسکین بے اطمینانی کا پیغام لے کر آتی تھی لبوں پر مرتسم ہونے والے پیار بھرے بوسوں میں بھی اس نایاب مسرت کی تشنگی موجود ہوتی تھی۔ جس کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ اور ایک رات کو جب وہ ریون سے لوٹی تو اسے بھورے رنگ کے کاغذ پر لکھا ہوا ایک رقعہ ملا۔ جیسا کہ ہمارے ہاں طے ہوا تھا۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہمارے آٹھ ہزار فرانک ادا کر دیئے جائیں ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔"

رقم کافی بڑی تھی۔ وہ سمجھی کہ وہ لیہرے کا رقعہ تھا لیکن وہ لیہرے کا نہیں کسی دوسرے ہی سود خور کی طرف سے آیا تھا لیہرے نے وہ اقرار نامہ یا ہنڈی اس کے ہاتھ بیچ دی تھی۔

اس رقعہ کو لیکر وہ لیہرے کے پاس گئی اور مدد کے لئے بری طرح گڑگڑانے لگی لیکن لیہرے نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ اس کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے اس کے بعد وہ لیو کے پاس گئی لیکن رقم اتنی زیادہ تھی کہ سنتے ہی لیو کے چھکے چھوٹ گئے۔ ایک آدھ ہزار کی بات ہوتی تو شاید وہ کچھ کوشش کرتا اور اسی لئے اس نے اسے باتوں باتوں

میں ٹال دیا۔ اس کے بعد وہ یون ڈسے کے وکیل کے پاس گئی لیکن جب وکیل نے مدد کے عوضانے کے طور پر اس کے جسم کا مطالبہ کیا تو ایما اس کے دفتر سے بھاگ آئی۔ اب وہ ردولف کے پاس گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت وہ اس طوائف کے مانند تھی جو پیسے کے لئے اپنا جسم بیچتی پھرتی ہے اور جس چیز کو اس نے وکیل کے یہاں ناقابل قبول سمجھا تھا اسی کو دل ہی دل میں قبول کر کے وہ ردولف کے یہاں پہنچی تھی لیکن ردولف بھی اس کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ اور اس طرح اس ذلت اور رسوائی سے بچنے کے لئے ایما کے پاس سوائے خودکشی کے اور کوئی چارہ نہ رہا اور اس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔

شارلس کے لئے بیوی کی موت کا یہ صدمہ ہی کچھ کم ناقابل برداشت نہیں تھا کہ ایک دن ایما کے میز کی دراز میں اسے ایک ایسی چیز مل گئی جس کے بارے میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ چیز تھی ایما کے نام لکھے ہوئے ردولف کے محبت ناموں کا پلندہ۔

دوسرے دن وہ اپنے باغیچے میں مرا ہوا پایا گیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایما کے سنہری بالوں کی ایک لٹ تھی۔

●

١

وکٹر ہیوگو

پیرس کا کبڑا

مشہور فرانسیسی ناول نگار وکٹر ہیوگو ۲۶ر فروری ۱۸۰۲ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد نپولین کی فوج میں جنرل تھے اس لئے آپ کو اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل ہوئی۔ چونکہ آپ نے کافی کم عمری میں ہی ڈرامے اور نظمیں لکھنا شروع کر دی تھیں۔ اور اسی لئے شروع شروع میں قلم پر زندہ رہنا آپ کو دشوار معلوم ہوا لیکن جب کچھ عرصہ بعد اپنے قلم ہی کی وجہ سے آپ کافی مشہور ہو گئے تو تمام مسائل از خود حل ہو گئے۔ ۱۸۵۱ء میں سیاسی وجوہ کی بنا پر آپ کو فرانس سے جلا وطن کر دیا گیا لیکن ۱۸۷۰ء میں جب آپ واپس پیرس میں لوٹے تو آپ کا نہایت شاندار خیر مقدم کیا گیا اور جب ۲۲ مئی ۱۸۸۵ء کو آپ کا انتقال ہوا تو آپ کے جنازے کے ساتھ دس لاکھ لوگوں کا بے پایاں ہجوم تھا۔

پیرس کا کبڑا یا ہنچ بیک آف نوترادم (انگریزی) یا نوتر دام د، پاری (فرانسیسی) تاریخی پس منظر کے ساتھ لکھا گیا ایک عظیم ناول ہے۔

VICTOR HUGO

NOTRE DAME DE PARIS

چھ جنوری ۱۴۸۲ء صبح ہوتے ہی پیرس میں کھلبلی مچ گئی۔ آج دو وجہوں سے چھٹی تھی ایک تو قومی تہوار تھا اور دوسرے احمقوں کی تقریب۔ انصاف محل میں لوگ ناٹک دیکھنے کے لئے جمع ہو رہے تھے اس ناٹک کے بعد احمقوں کے پوپ کا انتخاب ہونے والا تھا۔ اور فلینس کا سفیر کارڈینل بطور خاص اس ناٹک کو دیکھنے کے لئے آنے والا تھا۔

ناٹک کے لئے لکڑی کی ایک اونچی اسٹیج تیار کی گئی تھی محل کے ایک وسیع ہال کے ایک کونے میں ایک بہت بڑے سنگ مرمر کے چبوترے پر یہ اسٹیج بنائی گئی تھی۔ اسٹیج کے نچلے حصے میں اداکار اپنا میک اپ وغیرہ کرتے تھے جو بصورت پردے لگا کر اسے چاروں طرف سے ڈھانپ دیا گیا تھا اور سامنے کی طرف ایک سیڑھی لگادی گئی تھی لوگ ایک دوسرے سے گپ شپ اور بھونڈے مذاق کر رہے تھے۔ اور جب ناٹک شروع ہونے کا وقت ہو گیا یعنی بارہ بج گئے اور فلینس کی عدم موجودگی کی وجہ سے ناٹک شروع نہ کیا گیا تو لوگ مشتعل ہو گئے۔ اور عین ممکن تھا کہ دنگا ہو جاتا لیکن تبھی گرین روم کا پردہ ہٹا کر ایک شخص اوپر آگیا۔ وہ دیوتاؤں کے راجہ جوپیٹر کا پارٹ کرنے والا تھا۔ سنگ مرمر کے چبوترے پر پہنچ کر وہ ایک طرف کھڑا ہو گیا اور لوگوں سے خاموش رہنے کی درخواست کرتے ہوئے اس نے کہا کہ معزز مہمان کارڈینل کے آنے میں اب زیادہ دیر نہیں ہے ان کے آتے ہی فوراً ناٹک شروع کر دیا جائے گا پہلے تو

۱

لوگ چپ ہو گئے لیکن جب اس نے بات ختم کی تو شور پہلے سے بھی تیز ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ابھی سب کچھ تہس نہس کر دیا جائے گا۔ ہجوم کی یہ کیفیت دیکھ کر ایک کھمبے کی طرف سے ایک خوبصورت سا نوجوان جوپیٹر کی طرف بڑھا اور بولا "جوپیٹر ناٹک شروع کر دو۔ مسٹر کارڈینل جب آئیں گے تو میں انہیں سمجھا دوں گا" اور اس کے ساتھ ہی ناٹک شروع ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ ناٹک بہت پھسپھسا اور اکتا دینے والا تھا۔ لوگ باگ اگر کسی چیز پر کچھ توجہ دے سکے تو صرف اداکاروں کے کپڑوں پر۔ اتنے بڑے ہجوم میں مکالمے صرف ایک ہی شخص غور سے سن رہا تھا اور وہ تھا پیرے گرین گانے۔ اسی شخص نے جوپیٹر کو ناٹک شروع کرنے کی ہدایت کی تھی اور یہ ناٹک خود اسی کا لکھا ہوا تھا۔ ناٹک جاری تھا اور لوگ باگ جمائیاں لے رہے تھے کہ فلیس کے سفیر کارڈینل کے ساتھ اس کے بے شمار ملازمین آپہنچے۔ اداکار اداکاری کرتے کرتے رک گئے اور سب کی نظریں اوپر گیلریوں کی طرف اٹھ گئیں۔ کچھ وقفے کے لئے تماشائیوں پر ان معزز لوگوں کا رعب چھا گیا لیکن پھر یہ یاد آنے پر کہ وہ دن احمقوں کی تقریب کا دن تھا اور اس لئے ہر کسی کو ہر طرح کے مذاق کی آزادی تھی۔ وہ کارڈینل اور اسکے ساتھیوں کے ساتھ بھی بھونڈے مذاق کرنے لگے۔

یہ سلسلہ دس پندرہ منٹ تک چلتا رہا۔ بالآخر فلیس کا قد آور اور ہنس مکھ سفیر اپنی کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور تماشائیوں سے مخاطب ہو کر بولا کہ انہیں ناٹک کی کارروائی میں رخنہ انداز نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اس سے پہلے اگر وہ چاہیں تو احمقوں کے پوپ کا انتخاب کر سکتے ہیں اس نے بتایا کہ خود اس کے ملک میں بھی احمقوں کا ایک پوپ موجود ہے اور ـــــ "ہم اسے اس طرح چنتے ہیں کہ بھیڑ جمع ہو جاتی ہے۔ جس طرح اس وقت جمع ہے اور جس کسی کا بھی جی چاہتا ہے مقررہ

سوراخ یا جو کھڑکی میں سے سر نکال کر اور اپنا چہرہ بگاڑ کر دوسروں کی طرف دیکھتے ہوئے ہنستا ہے۔ ان سب میں جو شخص اپنے چہرے کو سب سے زیادہ بدصورت بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے ہم اسی کو احمقوں کا پوپ چن لیتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آج آپ بھی میرے ملک کے اس طریقے کی تقلید کریں۔"

لوگوں کو یہ طریقہ بہت پسند آیا اور طے ہوا کہ سنگ مرمر کے چبوترے کے سامنے جو مختصر سا کمرہ تھا امیدوار اس میں جمع ہو جائیں۔ اس طرح ایک کے بعد ایک امیدوار کمرے کی کھڑکی میں سے سر نکال کر اپنے چہرے کو بھدے سے بھدا بنا کر پیش کرنے لگا۔ ہر چہرے کے نمودار ہوتے ہی اتنا زیادہ شور ہونے لگتا۔ اور ہر چہرہ اتنا زیادہ بھیانک، ہوتا کہ یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا کہ اس سے پہلے کے چہرے بھیانک تھے یا وہ۔ جو اس وقت سامنے تھا۔ لیکن پھر ایک چہرے کے سامنے آنے پر ہجوم میں اتنا زیادہ شور برپا ہوا۔ ایسی ہڑ بونگ اور اتھل پتھل مچی کہ اتفاق رائے سے احمقوں کے پوپ کا انتخاب ہو گیا۔ حاضرین میں سے آج تک کسی نے اتنا مکروہ چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ منہ ایسا تھا جیسے گھوڑے کی نعل، ناک گویا چوکور تھی۔ ایک آنکھ پر کانٹوں ایسے ابرو کے بال جھکے ہوئے تھے اور دوسری بھیانک سوجن کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ دانت اوبڑ کھابڑ تھے اور ان میں سے ایک دانت سؤر کے دانت کی طرح سینگ جیسے موٹے ہونٹوں میں سے باہر کو نکلا ہوا تھا۔ جب اس چہرے کے بعد اس چہرے والے آدمی کو لوگوں نے دیکھا تو انھیں اور بھی تعجب ہوا۔ اس کی پیٹھ پر کندھوں کی طرف بہت بڑا کبڑ تھا۔ جس کا توازن قائم کرنے کے لئے اس کا پیٹ بہت آگے کو نکلا ہوا تھا۔ ہاتھ اور پیر بہت بڑے بڑے تھے اور وہ بری طرح لنگڑا کر چلتا تھا۔

یہ چیپل کا گھنٹہ بجانے والا کواسی موڈو تھا۔ نوتر دام کا کواسی موڈو۔

۱

ایک آنکھ کا لنگڑا اور کبڑا کواسی موڈو۔ فوراً احمقوں کے پوپ کا لباس لاکر اسے پہنا دیا گیا۔ اور پھر ایک رنگین پالکی میں بٹھا کر احمقوں کی برادری کے بارہ افسروں نے اسے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ اور یہ جلوس شہر کے بازاروں کا چکر لگانے کے لئے نکل پڑا۔ ہال میں اب صرف چند لوگ باقی رہ گئے تھے جو گرین گائے کی اس سر توڑ کوشش کا جائزہ لے رہے تھے کہ کسی طرح ناٹک پورا ہو جائے تبھی اونچی آواز میں کوئی پکار اٹھا: "اسمرالڈا! اسمرالڈا! باہر چوک میں آؤ" اس پر ہال کے تمام لوگ یہ دیکھنے کے لئے باہر نکل آئے کہ اسمرالڈا کون ہے؟

گرین گائے کی تمام کوششوں پر پانی پھر گیا۔ پیرس کے باشندوں کی حماقت کو کوستا ہوا وہ بھی باہر نکل آیا۔ اور پھر اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے وہ پلیس دی گرلو نامی جگہ پر جا پہنچا۔ وہاں ایک الاؤ سا جل رہا تھا۔ اور بہت سے لوگ الاؤ کے گرد کھڑے ایک نوجوان دوشیزہ کو ناچتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اس حسینہ کو دیکھ کر گرین گائے بھی اپنی پریشانیاں بھول گیا۔ وہ نازک بدن، نازک اندام، حسینہ جب اپنے پنجوں پر گھومتی ہوئی اپنی کالی آنکھوں سے کسی طرف دیکھتی تھی تو ادھر گویا آگ کی لپٹیں سی اٹھنے لگتی تھیں۔ ظاہر تھا کہ وہ کوئی خانہ بدوش لڑکی تھی بے شمار لوگ اس کا رقص دیکھ رہے تھے۔

لیکن ان دیکھنے والوں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس کی آنکھوں میں فریب کاری کا عکس تھا۔ جیسے وہ ایک طرف تو اس حسینہ کو دیکھ کر لطف اندوز حاصل کر رہا ہو۔ اور دوسری طرف اس کے تئیں متنفر بھی ہو رہا ہو۔ اس کی عمر پینتیس برس کی تھی لیکن وہ گنجا ہو چکا تھا اور اس کے ماتھے پر جھریاں پڑ گئی تھیں۔ حسینہ ناچتے ناچتے رک گئی اور پھر اس نے ایک طرف بیٹھی ہوئی اپنی بکری کو پکارا۔ بکری اچھل کر کھڑی ہو گئی اور پھر اپنی مالکن کے اشاروں پر ایسے ایسے تماشے دکھانے لگی کہ

سب لوگ ہکا بکا رہ گئے۔

گنجا آدمی گڑبڑاہٹ میں بول اٹھا "اسمیں جادو معلوم ہوتا ہے" لیکن ہجوم کے شوروغل میں اس کی آواز ڈوب گئی اور رقاصہ اپنی سڈول باہیں ہوا میں لہرا لہرا کر پھر سے رقص کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد چوک کے کسی اندھیرے کونے سے کسی بڑھیا کی غضبناک آواز آئی "ارے او چھوکری کیا! کیا تو یہاں سے دفان ہوگی یا نہیں ـــــ" اور پھر اسی وقت احمقوں کے پوپ کا جلوس ادھر آنکلا اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جب کواسی موڈو کو پلیس ہاؤس کے پاس لے جایا گیا تب وہ گنجا آدمی بھیڑ میں سے نکل کر سامنے آگیا اور گریں گائرے نے اسے پہچان لیا۔ وہ آرچ ڈیکن کلاڈے فرولو تھا۔ اس نے بڑھ کر کواسی موڈو کے ہاتھ سے پوپ کا عصا چھین لیا۔ اس پر لوگوں کو محسوس ہوا کہ اب دیوہیکل کبڑا اس پادری کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ لیکن یہ دیکھکر ان کے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ کواسی موڈو پادری کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک پادری نے اس کے تاج اور لباس کو اتار کر پرے نہیں پھینک دیا۔ احمقوں کی برادری اس بات سے بہت زیادہ مشتعل ہوگئی اور عین ممکن تھا کہ وہ لوگ پادری پر حملہ کر دیتے لیکن کبڑا ایک دم کھڑا ہوگیا اور پادری کو اپنی اوٹ میں کر کے بھیانک جانور کی طرح دانت پیستا ہوا بڑھ کر بھیڑ پر جھپٹنے کو تیار ہوگیا پھر اپنے آقا کو وہاں سے نکال لے جانے کے لئے وہ بھیڑ کو ادھر اُدھر دھکے دینے لگا۔

گریں گائرے نے تعجب سے اس عجیب جوڑے کو جاتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ اس رقاصہ کے پیچھے چل پڑا۔ رات کافی گزر چکی تھی اور عقبی سڑک اور... ان گلیوں میں جن میں سے ہو کر وہ جپسہ اپنی بکری لئے چلی جا رہی تھی۔ کوئی

اکا دکا آدمی ہی نظر آتا تھا۔ ایک کونے پر وہ مڑی اور کچھ دیر کے لئے نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ اس کے بعد گرین گاسے کو اس کی چیخ کی آواز سنائی دی وہ بھاگتا ہوا وہاں پہنچا اور اس نے دیکھا کہ اس لڑکی کو دو آدمیوں نے پکڑ رکھا تھا اور وہ ان سے چھوٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ان دو آدمیوں میں سے ایک کواسی موڈو تھا۔ کواسی موڈو نے گرین گاسے کو اس زور کا گھونسا دیا کہ وہ نالی میں جا گرا۔ کواسی موڈو نے پھر لڑکی کو اٹھا لیا لیکن تبھی ایک گھوڑ سوار وہاں آپہنچا جس کے پیچھے بارہ تیر انداز تھے۔ لڑکی کو کواسی موڈو سے چھڑا کر انھوں نے کواسی موڈو کو رسیوں میں جکڑ لیا۔ کواسی موڈو کا ساتھی ان لوگوں کو آتے دیکھ کر ہی بھاگ گیا تھا۔ لڑکی نے گھوڑ سوار سے اس کا نام پوچھا۔

"میرا نام کپتان فیبس ویستپو پرس ہے۔"

"میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں" لڑکی نے کہا۔

کپتان مونچھوں پر تاؤ دینے لگا۔ لڑکی مڑی اور رات کے اندھیرے میں غائب ہوگئی۔ سڑک پر پھر سے سناٹا چھا گیا۔

جب گرین گاسے کو ہوش آیا تو وہ خود کو بڑا نڈھال محسوس کرنے لگا۔ اپنے گھر پہنچ کر وہ جلد از جلد سو جانا چاہتا تھا لیکن وہ راستہ بھٹک گیا۔ اور چوروں طوائفوں اور غنڈوں کے ایک محلے میں جا پہنچا۔ غنڈوں کے ایک گروہ نے اسے پکڑ لیا اور اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ غنڈوں کے سردار نے حکم دیا کہ چوروں کی بستی 'کور' مریکلس' کی کوئی عورت اس کی بیوی بننا قبول کرے تو اسے چھوڑ دیا جائے ورنہ فوراً پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ باری باری سے کئی عورتوں نے اسکی طرف دیکھا۔ اور نفرت سے منہ پھیر لیا۔ غنڈے

اس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالنے ہی والے تھے کہ لوگ چلا اٹھے۔ "اسمرالڈا، اسمرالڈا" گرین گائے نے مڑ کر دیکھا۔ وہی لڑکی کھڑی تھی۔ اس نے سردار سے پوچھا "کیا اس شخص کو پھانسی دی جا رہی ہے؟"

"ہاں، میری بہن" سردار نے جواب دیا" لیکن اگر تم اس سے شادی کر لو تو یہ چھوٹ جائے گا۔"

لڑکی نے اپنا نیچے کا ہونٹ دانتوں میں دبایا اور پھر بولی "ٹھیک ہے میں اس سے شادی کروں گی۔"

ان کی شادی کی رات بھی ویسی ہی غیر معمولی رہی جیسی کہ اب تک کی ہر بات غیر معمولی تھی۔ شوہر کی حیثیت سے جب گرین گائے نے اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تو لڑکی نے خنجر نکال لیا اور کہا کہ اگر اس نے اسے ہاتھ لگایا تو وہ اسے قتل کر دے گی۔ دونوں الگ الگ کمروں میں سوئے۔ بیچارے گرین گائے کو زمین پر سونا پڑا کیونکہ کسی نے اسے بستر تک نہیں دیا تھا۔

کواسی موڈو کی عمر اس وقت بیس برس کی تھی۔ سولہ برس پہلے وہ گرجا گھر میں پڑا ہوا پایا گیا تھا اور اب اسی گرجا گھر میں گھنٹہ بجانے کا کام کرتا تھا۔ چار برس کے بچے کے اس طرح پائے جانے پر بہت سی عورتیں اس کے گرد جمع ہو گئی تھیں لیکن جب انہوں نے اس کی مکروہ صورت دیکھی تو ایک دم فتوے دے دیا کہ وہ انسان کی نہیں شیطان کی اولاد ہے۔ اور اسی لئے اسے زندہ جلا دینا چاہیئے۔ وہ اسے سچ مچ جلا ڈالتیں لیکن کلاڈے فرولو نامی ایک نوجوان پادری آڑے آگیا۔ اس نے چیخ پکار کرتی ہوئی بوڑھیوں کو دھکیل کر پیچھے ہٹا دیا اور آگے بڑھ کر بچے پر اپنا چغہ ڈالتے ہوئے کہا "میں اس بچے کو گود لیتا ہوں"۔ پادری کی اس بات پر عورتوں کو بے حد تعجب ہوا۔ اور ان

میں سے ایک بولی "بس تو تم لوگوں سے پہلے ہی کہتی تھی کہ کلوڈے فرولو جادوگر ہے"

پادری واقعی غیر معمولی شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ سنجیدگی طاری رہتی تھی اور اس کی آنکھوں میں مخاطب کے دل کا راز جان لینے کی قوت تھی۔ دن رات اپنے مذہبی کاموں میں وہ اس درجہ مصروف رہتا تھا کہ دوسرے پادریوں سے کلیتاً مختلف نظر آتا تھا۔ کواسی موڈو ایسے بدصورت بچے کو اپنے ساتھ لے جانے سے پہلے اس نے اپنی زندگی کی تمام تر محبت اور شفقت اپنے چھوٹے بھائی جان پر مرکوز کر رکھی تھی۔ اس کی بھی اس نے بچپن سے پرورش کی تھی۔

جب کبڑا کواسی موڈو بڑا ہو گیا تو پادری بھی آرچ ڈیکن کے اونچے عہدے پر پہنچ گیا۔ اور اسی نے اپنے اثر رسوخ سے اسے گرجا گھر میں گھنٹہ بجانے کی ملازمت دلوا دی۔ اتنے بڑے گھنٹہ کو ہلانے کے لئے کواسی موڈو کو اس سے لگی ہوئی رسی کے ساتھ جھولنا پڑتا تھا۔ تاکہ گھنٹہ کی آواز زور سے بج سکے اور لوگ عبادت کے لئے گرجا گھر میں جمع ہو سکیں اور اس دن سے کواسی موڈو کی زندگی کے بس دو ہی کام تھے۔ گھنٹہ بجانا اور اپنی پرورش کرنے والے کی خدمت گذاری۔ یہ دونوں کام وہ دل و جان سے سرانجام دیتا تھا۔ حالانکہ گھنٹے کی پرشور آواز نے اسے بالکل بہرہ کر دیا تھا۔

پادری کے دل کی تمام تر محبت اپنے چھوٹے بھائی جان پر مرکوز تھی لیکن جان نے اس کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اپنے بھائی کی طرح مذہب اور علم سے رجوع کرنے کے بجائے جوا کھیلنا، پیشہ ور عورتوں کے یہاں جانا اور پیسے کو پانی کی طرح بہانا زیادہ مرغوب تھا۔ کلاڈے نے اسے ہر طرح سے ڈانٹ پھٹکار کر دیکھ لیا لیکن جب نتیجہ وہی کا وہی رہا

تو مارے دکھ کے کلاڈے نے اپنے آپکو اپنی لائبریری میں بند کر لیا اور طلسماتی علوم کے تجربے کرنے لگا اور جلد ہی ایک جادوگر کی حیثیت سے مشہور ہو گیا۔

کپتان فیبس کے ہاتھوں گرفتار کئے جانے کے بعد کواسی موڈو کو ایک مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا گیا۔ اس پر دنگا کرنے، ایک عورت پر ظلم ڈھانے اور حکومت کے سپاہیوں کے کام میں رخنہ ڈالنے کا الزام لگایا گیا۔ مجسٹریٹ نے اسے کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ اور سزا کے لئے پلیس دی گریو کے پاس کی ایک جگہ مقرر کر دی جہاں گرین گائے پہلی نظر میں ہی اسمرالڈا کے حسن پر مرمٹا تھا۔ اسمرالڈا کو "مصری کتیا" کہہ کر پکارنے والی بڑھیا کا نام سسٹر گیوڈولے تھا جو پچھلے سولہ برس سے پلیس دی گریو کے پاس ایک چھوٹی سی کوٹھری میں خود کو بند کر کے عبادت اور اپنے گناہوں کا کفارہ کر رہی تھی۔

اپنی جوانی کے زمانے میں وہ بے حد حسین تھی لیکن اس نے اپنے آپ کو عیش و عشرت میں مستغرق کر دیا تھا۔ بیس برس کی عمر میں ہی اس نے دیکھا کہ اس کا آخری چاہنے والا بھی اسے چھوڑ گیا تھا۔ کیونکہ اس کا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ اور جوانی ڈھل گئی تھی ــــ اور سوائے گود کی ایک لڑکی کے اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ اب وہ لڑکی ہی اس کی زندگی کا واحد سہارا تھی۔ لیکن ایک دن جب کہ لڑکی ایک برس کی تھی وہ اسے گھر میں سوتا چھوڑ کر باہر چلی گئی۔ اور جب لوٹ کر واپس آئی تو پالنا خالی تھا۔ وہ پاگل ہو اٹھی اور بچی کو ڈھونڈنے کے لئے ادھر ادھر ماری ماری پھرنے لگی۔ لیکن بچی کے پاؤں کے ایک سلیپر کے علاوہ کچھ بھی اس کے ہاتھ نہ لگا۔ وہ سلیپر بھی

شاید بچی کو اڑا لے جانے والوں کے ہاتھوں سے گر گیا تھا۔ اسی دن خانہ بدوشوں کے ایک گروہ نے پڑوس میں ڈیرا ڈالا تھا اس لئے یہی سمجھا گیا کہ بچی کو وہ خانہ بدوش ہی اٹھا لے گئے تھے۔

بچی کی تلاش میں دن بھر سڑکوں کی خاک چھاننے کے بعد جب گیوڈولے شام کو نڈھال ہو کر گھر لوٹی تو اسے اپنے گھر میں بچی کی جگہ پر ایک بچہ پڑا ہوا ملا جو ایک چھوٹے سے راکشش جیسا تھا۔ جس کی ایک ہی آنکھ تھی۔ اور جو لنگڑا تھا۔ اسے دیکھکر وہ اور بھی پریشان اور بے چین ہو گئی۔ اور اسی غم و غصہ کی حالت میں وہ پیرس چلی گئی۔ بچی کا سلیپر وہ اپنے ساتھ لے گئی اور پھر یہ سوچ کر کہ یہ خدا کی طرف سے اس کے گناہوں کی سزا تھی۔ اس نے بلیس دے گریو میں مادام رولینڈ کی ایک کوٹھری میں اپنے آپ کو مقید کر لیا اور تب سے وہ وہیں رہتی تھی۔ چند ایک رحمدل لوگ اس کے لئے کچھ نہ کچھ وہاں پھینک جاتے تھے۔ جس سے اس کی زندگی کی گاڑی چل رہی تھی۔ اس کا اصلی نام پکوئیٹ لا چانت فلیوری تھا لیکن لوگ اسے سسٹر گیوڈولے کے نام سے پکارتے تھے۔ جو بدصورت بچہ کسی نے اس کے مکان میں ڈال دیا تھا اسے آرچ بشپ نے اپنی پناہ میں لے لیا تھا اور اس کے اندر سے شیطان کی روح نکال کر اسے نوتردام میں پرورش کے لئے بھیج دیا تھا۔

گیوڈولے کی کوٹھری اس جگہ کے قریب ہی تھی جہاں سزا کے طور پر کواسی موڈو کو لا کر بند کیا گیا تھا۔ وہ بیچارہ بہرہ اپنی سزا کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ بلکہ وہ کچھ ہی نہیں پا رہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے اور اسی لئے جب سپاہی اسے پہیے کے ساتھ جکڑنے لگے تو بھی اس نے کوئی چیل چخت نہیں کی لیکن جب اس نے موٹی موٹی گانٹھوں والا چمڑے کا کوڑا دیکھا جو اس کے

جسم پر برسنے والا تھا تب اسے پتہ چلا۔ اور پھر جب کوڑا اسکی ننگی گھناونی پیٹھ پر تابڑ توڑ برسنے لگا تو اس نے چھوٹنے کے لئے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر ہلائے لیکن جب اسے معلوم ہو گیا کہ اس جکڑے سے وہ کسی طرح نجات حاصل نہیں کر سکتا تو اس نے ہاتھ پیر ہلانے بھی بند کر دیئے اور چپ چاپ کوڑوں کی مار سہتا رہا۔ جب کافی کوڑے لگ چکے اور اس کا جسم لہو لہان ہو گیا تو لوگوں کی تفریح کے لئے اسے پھر سے گھنٹہ بھر کے لئے اسی جگہ بند کر دیا گیا۔

کوٹھری کی سلاخوں کے باہر کھڑا ہجوم اسے اپنے مذاق کا نشانہ بنا رہا تھا اور اندر کواسی موڈو اپنے زخموں سے نڈھال پڑا تھا تبھی کواسی موڈو نے دور چوک میں خچر پر سوار ایک پادری کو اس طرف آتے دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے مکروہ چہرے پر ایک عجیب طرح کی عقیدت کی لہر دوڑ گئی۔ اسے محسوس ہوا گویا وہ اس کربناک سزا سے چھوٹنے والا ہے لیکن جوں ہی پادری کو معلوم ہوا کہ کواسی موڈو کو سزا دی جا رہی ہے۔ اس نے اپنا خچر موڑ لیا اور جلدی سے ایک طرف کو چلا گیا کواسی موڈو نے زندگی میں صرف ایک ہی آدمی سے — صرف اسی پادری سے محبت کی تھی۔ اور وہ بھی اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ جب کہ اسی شخص کی وجہ سے کواسی موڈو کو یہ سزا بھگتنی پڑ رہی تھی۔ اسی پادری نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ اسمرالڈا کو پکڑ لائے۔ اور جب کواسی موڈو نے اسمرالڈا کو جا دبوچا تھا تو اس وقت وہ پادری بھی اس کے ہمراہ گیا تھا۔

پادری جب دوسری طرف چلا گیا تو کواسی موڈو جسم کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر بھی نڈھال ہو کر گر پڑا۔ اور بڑی کربناک آواز میں چلایا: ”پانی!“ یہ الفاظ سُن کر بھیڑ کھلکھلا کر ہنس پڑی ——— کسی نے اس پر پتھر پھینکے اور کسی نے نالی کی کیچڑ لا کر اس پر دے ماری۔ وہ بدستور ”پانی،

پانی، چلّا رہا تھا اور بھیڑ قہقہے لگا رہی تھی۔ تبھی کواسی موڈوے نے دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی اس کی کوٹھری کی طرف چلی آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک بکری تھی۔ وہ فوراً پہچان گیا کہ اسی لڑکی کو اٹھا لے جانے کی اس نے کوشش کی تھی۔ اس نے سوچا کہ اسے مجبور و معذور پا کر وہ اسے مارنے آ رہی تھی۔ اس خوف سے وہ اور بھی چھٹپٹانے لگا۔ لیکن لڑکی نے اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اس نے اپنی کمر کے ساتھ بندھی ہوئی پانی کی ایک بوتل نکالی اور کواسی موڈوے کے جلتے ہوئے ہونٹوں سے لگا دی۔ پانی پیتے ہوئے کواسی موڈوے کی سرخ آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہہ نکلی۔ اور یہ دیکھ کر لوگوں کا دل بھی پسیج گیا۔

لیکن تبھی مسز گیوڈوے کی کڑھی آواز سنائی دی۔ وہ اپنی کوٹھری میں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی اور جب اس نے خانہ بدوش لڑکی کو پہچان لیا تو چلائی "او مصر کی کتیا! تجھ پر خدا کی مار پڑے۔ تیرا ستیاناس ہو جائے۔" اور جب اسمرالڈا وہاں سے جانے لگی تو عبادت گذار گیوڈوے اور بھی غصے سے چلانے لگی "چلی جا، دفان ہو جا او بچے چرانے والی مصری کتیا۔ اب جلد ہی تو بھی قید ہو کر یہاں ایڑیاں رگڑے گی۔"

رہائی کے بعد کواسی موڈوے نوتر دام لوٹ گیا اور پھر سے گھنٹہ بجانے کا کام کرنے لگا لیکن اب اس میں پہلے جیسی لگن نہیں تھی۔ قید ہونے سے پہلے یا تو وہ گرجے کی بات سوچا کرتا تھا یا پھر آرچ ڈیکن کے بارے میں لیکن اب اس کے ذہن میں بار بار اس فرشتہ سیرت لڑکی کی تصویر ابھر آتی تھی جسے اس نے زبردستی اٹھا لے جانے کی کوشش کی تھی اور جس نے بدلے میں اسے اس وقت پانی پلایا تھا جب وہ جاں بلب تھا۔

اسی اسمرالڈا کی یاد آرچ ڈیکن کے دل و دماغ میں بھی گونج رہی

تھی۔ وہ بھی نوتردام کے ایک خفیہ تہہ خانے میں بیٹھا گھنٹوں اس کے بارے میں سوچا کرتا تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ گرین گاٹے سے اس کی شادی ہو چکی تھی لیکن گرین گاٹے سے پوچھنے پر یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ وہ ابھی تک کنواری تھی۔ گرین گاٹے نے اسے یہ بھی بتایا کہ اسمرالڈا فیبس نامی کسی نامعلوم شخص کو چاہتی تھی۔

اسمرالڈا بدستور سڑکوں پر ناچتی تھی۔ اب بکری کے علاوہ گرین گاٹے بھی اس کے ساتھ رہتا تھا۔ گرین گاٹے اس لیے اُس کے ساتھ رہتا تھا کہ اس طرح اس کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام ہو جاتا تھا۔ اور اسمرالڈا اس لیے اسے ساتھ رکھتی تھی کہ وہ دوسرے لوگوں سے اسکی حفاظت کرے۔ اس کے علاوہ ان دونوں میں اور کوئی رشتہ نہیں تھا۔

کپتان فیبس نے جس دن اسمرالڈا کو بچایا تھا اسکے بعد کئی ہفتوں تک وہ اسمرالڈا کو کہیں نظر نہیں آیا۔ لیکن پھر ایک دن اچانک ان دونوں کی ملاقات ہو گئی اور طے پایا کہ دونوں ایک سرائے میں اکٹھے رات گزاریں گے۔ فیبس کے شرابی ساتھیوں میں آرچ ڈیکن کا بھائی جان بھی تھا۔ رات کو بھی اسمرالڈا سے ملنے کے مقررہ وقت سے پہلے فیبس نے جان کے ساتھ ایک سرائے میں خوب ڈٹ کر شراب پی اور جب دونوں سرائے سے باہر نکلے تو آرچ ڈیکن ان کے پیچھے لگ گیا۔ فیبس اور جان کی باہمی گفتگو سے اسے پتہ چل گیا تھا کہ فیبس اب کہاں جا رہا تھا کچھ دور جانے پر جب جان نشے کی زیادتی کی وجہ سے ایک نالی میں گر گیا تو فیبس اکیلا ہی اپنی منزل مقصود کی طرف چل پڑا۔ اس بات کا اسے احساس تک نہ تھا کہ آرچ ڈیکن کلوڈ سے فرولو اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ آرچ ڈیکن نے کئی طرح کے ہتھکنڈوں سے کام لے کر

سرائے کے اس کمرے کی بغل کا کمرا حاصل کر لیا جس میں فیبس اور اسمر الڈا ایک ساتھ رات گزارنے والے تھے۔

کچھ دیر تک تو وہ دیوار کی ایک دراز میں سے فیبس اور اسمر الڈا کو ایک دوسرے سے پیار کرتے ہوئے دیکھتا رہا لیکن پھر غصہ اور حسد کے مارے پاگل ہو اٹھا بڑے دھڑاکے کے ساتھ وہ ان کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کپتان فیبس پر خنجر سے کئی وار کر ڈالے۔ یہ منظر دیکھ کر اسمر الڈا بیہوش ہو گئی۔ اور جب اسے ہوش آیا تو سپاہی آچکے تھے۔ فیبس خون کی دلدل میں پڑا تھا۔ اور پادری کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا وہ اس کھڑکی میں سے نکل بھاگا تھا جو ندی کی طرف کھلتی تھی۔

اسمر الڈا ہی پر کپتان کے قتل کا الزام لگایا گیا۔ اور کہا گیا کہ اس کام میں شیطان نے اس کی مدد کی تھی۔ عدالت کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ کپتان مرا نہیں تھا اور رفتہ رفتہ صحتیاب ہو رہا تھا۔ اسمر الڈا نے پہلے تو اپنا جرم قبول نہیں کیا۔ لیکن جب اسے جسمانی اذیتیں پہنچائی گئیں تو اس نے قبول کر لیا کہ وہ چڑیل ہے۔ جادوگرنی ہے۔ اور اسی نے کپتان کو قتل کیا تھا۔ مقدمے کا فیصلہ سنا دیا گیا کہ پہلے تو وہ نوتردام کی بڑی محراب کے نیچے بطور کفارہ عبادت کرے اور پھر پلیس گریو میں گلے میں پھندا ڈال کر پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے اس فیصلے کے فوراً بعد اسے وزنی زنجیروں میں جکڑ کر انصاف محل کے ایک اندھیرے تہ خانے میں ڈال دیا گیا۔ ہر کسی نے اسے یہی کہا تھا کہ فیبس مر چکا ہے اس لئے اس کے دل میں بھی زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہیں رہی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

اس جیل خانے میں اس سے ملنے کے لئے ایک شخص آیا۔ وہ پادری آرچ ڈیکن کلوڈے فرولو تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ چونک اٹھی۔ پادری نے کوئی بات نہیں چھپائی اس نے صاف صاف بتادیا کہ اس نے اسمرالڈا کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اور اسی نے فیبس کو قتل کیا تھا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کیونکہ وہ اسے چاہتا تھا۔ بالآخر پادری نے کہا کہ اگر وہ اس کے ساتھ دیہات میں جاکر رہنے کے لئے تیار ہو تو وہ موت کے پھندے سے بچالے گا۔

اسمرالڈا نے بڑی نفرت کے ساتھ اسکی پیش کش ٹھکرادی اور کہا "تمہارے ساتھ جانے کے بجائے میں مرجانا زیادہ پسند کرتی ہوں۔

پادری چلا گیا۔

مقررہ دن آپہنچا۔ اسمرالڈا کو نوتردام کی بڑی محراب کے نیچے لایا گیا۔ تاکہ وہ موت کے خیر مقدم کے لئے اپنی روح کو آمادہ اور پاکیزہ کرسکے۔ اس وقت مذہبی رسومات ادا کروانے والا پادری کوئی دوسرا نہیں خود کلوڈے فرولو تھا۔ رسومات ادا کرتے کرتے اس نے دھیرے سے اسمرالڈا کے کان میں کہا کہ "میں اب بھی تمہیں بچا سکتا ہوں" اسمرالڈا نے اس وقت بھی اس کی بات ماننے سے انکار کردیا۔

اور پھر جب سپاہی اسے پھانسی کے پھندے کی طرف لے جانے لگے تو اچانک اس کی نظر سامنے کے مکان کی ایک کھڑکی پر پڑ گئی اور یہ دیکھ کر اس کھڑکی میں فیبس کھڑا تھا وہ خوشی سے چلا پڑی — "فیبس"! لیکن فیبس جواب دینے کے بجائے کھڑکی سے ہٹ گیا۔ اسمرالڈا نے دیکھا کہ اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ یہ دیکھ کر اسمرالڈا بیہوش ہو کر گر پڑی۔

نوتردام کے چاروں طرف جمع شدہ بھیڑ اسمرالڈا کو دیکھنے کے لئے اتنی

زیادہ بے چین تھی کہ اس میں سے کسی نے بھی یہ نہیں دیکھا کہ کواسی موڈو گرجے کے اوپر چڑھ بیٹھا تھا۔ کسی نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس نے اوپر کسی چیز سے باندھ کر وہاں ایک رسی نیچے تک لٹکا رکھی تھی۔ جونہی اسمرالڈا بیہوش ہو کر گری کواسی موڈو رسی کے ذریعے بجلی کی سی تیزی سے نیچے پہنچ گیا اور آتے ہی اسمرالڈا کو پکڑنے والے سپاہیوں کو گھونسے مار مار کر فرش پر بچھا دیا۔ اس کے بعد اس نے اسمرالڈا کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور "عبادت گاہ" "عبادت گاہ" چلاتا ہوا گرجے کے اندر پہنچ گیا۔

گرجے میں پہنچنے کے بعد اسمرالڈا قانون کی گرفت سے باہر ہو گئی تھی۔

کواسی موڈو اسے گرجے کے اوپر کے حصے میں لے گیا اور ایک کمرے میں بستر پر لٹا کر ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسمرالڈا جب ہوش میں آگئی تو اس نے اس کے لئے کھانے کا انتظام کیا اور ہدایت کی کہ دن کے وقت تو تم اسی کمرے میں رہا کرنا البتہ رات کو سارے گرجے میں گھوم سکتی ہو۔ لیکن کیا دن اور کیا رات گرجے سے باہر قدم نہ نکالنا ورنہ وہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے اور تمہاری موت میری موت ہو گی۔

اسی شام اسمرالڈا کے کمرے میں اس کی بکری بھی آگئی۔

اس واقعہ کی اطلاع جب کلوڈ فرولو کو ملی تو اس نے طے کر لیا کہ اب گرجے میں اسمرالڈا کی دیکھ بھال کرنے والے کواسی موڈو کو درست کرنا پڑے گا۔ اور وہ اسمرالڈا کو گرجے سے نکال لینے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ اس نے گرین گلمے کو بلایا اور اس سیدھے سادے شاعر قسم کے انسان سے کہا۔ اسمرالڈا کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ اسے نوتردام سے باہر نکال لیا جائے کیا تم کوئی ایسی ترکیب کر سکتے ہو؟

کافی بحث مباحثہ کے بعد گرین گائے اس بات پر راضی ہو گیا کہ وہ کیورو، مریکلس، کے اپنے غنڈے ساتھیوں کو اکسائے گا کہ وہ گرجے پر حملہ کر کے اکمراانڈا کو اڑالیجائیں۔

دوسرا دن گزر گیا۔ رات آگئی۔ کواسی موڈو ادھر ادھر پہرہ دیتے ہوئے چکر لگا رہا تھا۔ کہ اس نے دیکھا تو گروں کا ایک بڑا ہجوم گرجے کی طرف آرہا تھا یہ غنڈوں کی فوج تھی۔ انھوں نے آتے ہی گرجے کے پھاٹک پر کلہاڑیاں اور بیلچے چلانے شروع کر دیئے لیکن اس سے پہلے کہ وہ پھاٹک کو کسی طرح کا نقصان پہنچا سکتے کواسی موڈو نے محراب کے اوپر پہونچ کر ایک بہت بڑا شہتیر ان پر لڑھکا دیا۔ لگ بھگ بارہ آدمی اس شہتیر سے دب کر مر گئے۔ اب غنڈوں نے اور بھی جوش میں آکر اس شہتیر کو اٹھا لیا اور ہٹ ہٹ کے شہتیر سے پھاٹک پر چوٹیں کرنے لگے۔ کچھ دن پہلے چھت کی مرمت کے لئے بڑے بڑے پتھر اوپر پہنچائے گئے تھے جن میں سے کافی بچ گئے تھے اور ابھی تک اوپر پڑے تھے کواسی موڈو ان پتھروں کو اٹھا کر نیچے پھینکنے لگا۔

نیچے بڑا بھیانک شور و غل اور چیخ و پکار ہونے لگی۔ غنڈے اور بھی مشتعل ہو گئے۔ ادھر پتھر بھی ختم ہو گئے لیکن کواسی موڈو نے پھر بھی ہار نہیں مانی۔ اس نے بڑے بڑے کڑھاؤں میں جمے ہوئے سیسے کے نیچے آگ سلگا دی اور جب سیسہ پگھل گیا تو اس نے وہ سیال آگ نیچے پھینکنی شروع کر دی۔ اس سیال آگ سے لاتعداد حملہ آور کھڑے کھڑے جل اٹھے اور باقیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اسی دوران میں پادری کا بھائی جان کہیں سے ایک بہت بڑی سیڑھی لے آیا اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس نے وہ سیڑھی گرجے کی عقبی دیوار سے ٹکا دی۔ اور پھر بڑی تیزی سے اس پر چڑھنے لگا۔ کواسی موڈو اس جگہ سے کافی دور تھا اس لئے اس کے وہاں پہنچنے تک جان اوپر گیلری میں پہنچ

چکا تھا۔ پہلے تو کواسی موڈو نے اپنی پوری طاقت سے اس سیڑھی کو پیچھے کی طرف دھکا دیا جس سے نہ صرف سیڑھی پر چڑھتے ہوئے جان کے ساتھی زمین پر گر کر جاں بحق ہو گئے بلکہ درجنوں دوسرے حملہ آور بھی زخمی ہو گئے اور اس کے بعد اس نے اپنی دونوں باہوں پر جان کو اٹھا لیا اور ایک گیند کی طرح نیچے حملہ آوروں پر پھینک دیا۔ ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ ادھر خوف زدہ شہریوں نے تھانے میں اطلاع کر دی۔ غنڈے دوسری سیڑھی لگانے والے تھے کہ پولیس نے انھیں گھیر لیا۔ اور کپتان فیبس نے ہجوم پر تابڑ توڑ ڈنڈے برسانے شروع کر دیے۔ اور منٹوں میں اسے تتر بتر کر دیا۔ یہ دیکھ کر کواسی موڈو مطمئن ہو گیا اور بھاگتا ہوا اسمرالڈا کے کمرے میں جا پہنچا ——— لیکن یہ دیکھ کر اسے بے حد افسوس ہوا کہ اسمرالڈا وہاں نہیں تھی۔

دراصل جب لڑائی زوروں پر تھی، پادری کلوڈ فرولو گرین گائے کے ساتھ بھیس بدل کر ایک خفیہ راستے کے ذریعے گرجے میں گھس آیا تھا۔ اسمرالڈا اس بھیس میں پادری کو نہیں پہچان سکی۔ وہ صرف گرین گائے سے باتیں کرتی رہی اور جب پادری نے اس سے اپنا اصلی تعارف کرایا اور ایک بار پھر اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہر طرح سے تمہاری حفاظت کروں گا بشرطیکہ تم میرے ساتھ رہو" تو اسمرالڈا نے ایک بار پھر بڑی نفرت سے اس کی پیشکش ٹھکرا دی۔ اس پر پادری اسے وہاں سے نکال کر پلیس دی گریو میں رہنے والی مسز گیوڈولے کی کوٹھری میں لے گیا اور بولا "گیوڈولے! یہ ہے وہ عورت جسے تو نفرت کرتی ہے۔ اسے اس وقت تک پکڑے رہ جب تک میں بادشاہ کے سپاہیوں کو نہیں لے آتا۔"

بڑھیا نے چڑیل کی طرح اسمرالڈا کو پکڑ لیا اور کوشش کرنے پر بھی

اسمراللّٰہ اس کی گرفت سے اپنے آپ کو نہیں چھڑا سکی۔ اسمراللّٰہ کو اپنی گرفت میں جکڑنے کے ساتھ ساتھ بڑھیا اپنی بدقسمتی کی کہانی بھی بڑبڑاتی رہی اور بالآخر اسمراللّٰہ کو دیسنے کے ساتھ ساتھ اس نے وہ ننھا سا سلیپر بھی دکھایا جو اسکی بیٹی کا تھا۔ جسے خانہ بدوش اٹھا لے گئے تھے۔

سلیپر دیکھ کر اسمراللّٰہ کی آنکھیں جیسے پھٹ سی گئیں۔ پھر اس نے اپنے سینے پر لٹکی ہوئی لاکٹ قسم کی ایک چیز کو توڑ دیا۔ اور ویسی ہی ایک چیز — اس سلیپر کی جوڑی اس کے سامنے رکھ دی۔ ماں بیٹی نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور پھر مسٹر گیموڈو نے اپنی کوٹھری کے دروازے کی ایک سلاخ اکھاڑ لی، تاکہ آنے والے سپاہیوں سے اسمراللّٰہ کی حفاظت کر سکے۔

لیکن مسٹر گیموڈو کی یہ کوشش بالکل بیکار گئی — سپاہیوں نے نہ صرف مسٹر گیموڈو کو ختم کر دیا بلکہ اسمراللّٰہ کو بھی پھانسی دے دی۔

سپاہیوں کو وہاں پہنچانے کے بعد کلوڈے فرولو گرجے کی ایک اونچی گیلری میں چلا گیا تھا۔ تاکہ وہاں سے پھانسی پر لٹکتی ہوئی اسمراللّٰہ کو دیکھ سکے — اور وہ یہ منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ پیچھے سے کوائی موڈو وہاں آ پہنچا اور اس نے پادری کو اپنے مشفق اور پرورش کنندہ کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر پوری طاقت سے نیچے زمین پر دے مارا۔ گرتے ہی کلوڈے فرولو کا سر پھٹ گیا۔

اس کے بعد کسی نے کوائی موڈو کو نہیں دیکھا۔ لیکن کچھ برس بعد اس تہہ خانے کو کھولا گیا جس میں کبھی اسمراللّٰہ کو رکھا گیا تھا۔ ہڈیوں کے دو ڈھانچے ملے دونوں بغلگیری کی حالت میں تھے۔ ایک اسمراللّٰہ کا ڈھانچہ تھا۔ جسے پھانسی دی گئی تھی اور دوسرا اس مکروہ کبڑے کا جسے کسی نے پھانسی نہیں دی تھی۔

پیرے لوئی

اندھی جوانی

پیرے لوئی ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ۱۹۲۵ء میں آپ نے وفات پائی۔ آپ فرانسیسی زبان کے بہت بڑے شاعر اور ناول نگار تھے۔ آپ نے دیگر علوم کے علاوہ فلسفے کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ افرودتے (اندھی جوانی) آپکی ایک عظیم تخلیق ہے جو ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی اور جسکا ترجمہ دنیا کی لاتعداد زبانوں میں ہو چکا ہے اس میں آپ نے مصر و یونان کے قدیم تہذیب و تمدن کی عکاسی کی ہے۔ اسی تخلیق کی بنا پر آپ کو فحش نگار بھی قرار دیا گیا لیکن تاریخ تو بہر حال تاریخ ہی ہے۔

PIERRE LOUYS

APHRODITE

کریئس جوشِ جوانی میں سرمست بستر پر پڑی تھی۔ پھر پڑے پڑے ہی اس نے انگڑائی لی اور ادھر ادھر دیکھا۔ سکندریہ کی تمام طوائفوں میں اس کا نام سرِفہرست تھا۔ اسے دیکھکر حسن پرست اس پر نظمیں لکھتے تھے۔ جیسے وہ حسن کی دیوی افرودیتی ہو۔ دراصل وہ وہاں کی رہنے والی نہیں تھی جب وہ بارہ برس کی تھی تو چند تاجر گھوڑ سواروں کے ساتھ اپنے ملک سے چل پڑی تھی۔ اور وہ لوگ اسے یہاں چھوڑ گئے تھے۔ سکندریہ میں طوائف بننے کے بعد اس نے بہت سے ملکوں کی زبانیں سیکھ لی تھیں اور اپنے حسن اور جوانی کے جادو سے بہت زیادہ دولت جمع کر لی تھی۔ اس کی ایک ہندو ملازمہ تھی جسے وہ جلونت کہنے کے بجائے دجالہ کہکر پکارتی تھی۔

کچھ برس تک تو وہ اسی طرح اطمینان کے ساتھ زندگی گزارتی رہی لیکن پھر اس کی زندگی پر ایک طرح کی اداسی کے بادل چھانے لگے اور تب اس نے دیکھا کہ وہ بیس برس کی ہو چکی تھی ——— اور اس کے ساتھ ہی رفتہ رفتہ اس میں ایک نیا ولولہ نیا جوش و خروش پیدا ہوتا چلا گیا۔

اس نے آواز دی "دجالہ!"

اور دجالہ کے آنے پر اس نے پوچھا "کل کون آیا تھا دجالہ؟ کب گیا تھا؟ کیا دے گیا وہ؟"

دجالہ وہ زیورات لے آئی جو پچھلی رات کو آنے والا شخص دے گیا تھا

اس نے تعجب سے انہیں دیکھا اور پھر قدرے اداس ہو کر بولی "زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی دجالہ۔ اب تو کوئی خاص بات ہونی چاہیئے۔"

کچھ دیر رک کر وہ پھر بولی "جب کوئی مجھے دیکھکر دیوانہ ہو اٹھتا ہے تو مجھے اس کو ستانے میں بڑا مزا آتا ہے جو بھی میرے پاس آتے ہیں۔ وہ سب کہتے ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ میں ان کی موت پر آنسو بہاؤں لیکن اس میں ان کا ہی قصور نہیں میرا بھی ہے۔ میں ہی تو انھیں یہاں آنے دیتی ہوں۔ لیکن یہاں آکر وہ احمق مجھ سے محبت بھیک کرتے ہیں۔

اور یہ کہتے ہوئے وہ اٹھکر غلسخانے میں چلی گئی۔ غسلخانے سے نکل کر اس نے دجالہ سے کہا "میرا جسم پونچھو" دجالہ اس کا جسم پونچھنے کے بعد اس کا سنگار کرنے لگی۔ تب اس نے کہا "گاؤ" اور دجالہ گانے لگی۔ کرئیس اس گیت میں ایسی محو ہوئی کہ دجالہ کے ساتھ ساتھ اس کے ہونٹ بھی ہلنے لگے۔ میری زلفیں ہموار زمین پر بہتی ہوئی ندی کے مانند ہیں گھنی چھاؤں کے نیچے گہری جھیل کے مانند میری آنکھیں ہیں جو ہمیشہ پلکوں کے بوجھ سے جھکی رہتی ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔، اسی طرح وہ دونوں کافی دیر تک گاتی رہیں۔ پھر ایکا ایک وہ کھڑی ہو گئی اور اس نے کہا ارے رات ہو گئی۔ اب میں باہر کس وقت جاؤں گی؟"

اور پھر کھلکھلا کر ہنستے ہوئے اس نے دجالہ سے کہا "اب میں شکار کرنے جاتی ہوں۔"

جب وہ گھر سے باہر نکلی تو راستہ بالکل سنسان تھا۔ وہ ہلکے سروں میں گنگناتی ہوئی آگے بڑھتی گئی اور بالآخر ساحل سمندر پر جا پہنچی۔ اور وہاں دو عورتیں بیٹھی بانسری بجا رہی تھیں اور ان کے گرد بہت بڑی بھیڑ جمع تھی۔ بھیڑ

کے شور و شغب میں سمندر کی زوردار شائیں شائیں بھی دب کر رہ گئی تھی۔ اس مقام پر ایک طرح سے طوائفوں کی سلطنت تھی۔ یہاں ہر قسم کے لوگ آتے تھے۔ اور سوائے عمدہ ملبوسات و زیورات، عریاں عورتوں اور زرخرید لونڈیوں کے اور کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ ایک طرف عجیب سی پوشاک پہنے ایک شخص چپ چاپ کھڑا تھا۔ تائیفرا نامی طوائف نے اسے دیکھا اور اس کے قریب جا کر بولی "معلوم ہوتا ہے تم کوئی پردیسی ہو"

"ہاں" اجنبی نے جواب دیا" میں کبیرا کا باشندہ ہوں۔ یہاں اناج بیچنے آیا تھا خدا کے فضل سے اب کے فصل کافی اچھی ہوئی تھی۔ اور میں نے خاصا کما لیا ہے۔ دیکھو میں یہاں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ کیا تم مجھے یہاں آنے والے لوگوں کے بارے میں بتاؤ گی۔

تائیفرا نے کہا" ضرور۔ اور وہ یہاں وہاں کھڑے اور ادھر ادھر گشت کرتے ہوئے مردوں کی طرف اشارہ کر کر کے ان کا تعارف کرانے لگی۔ ان میں کوئی فلسفی تھا تو کوئی جاہل مطلق۔ کسی کو اس نے جالباز بتایا تو کسی کو سیاسی رہنما۔ وہاں بڑے بڑے ساہوکار بھی تھے اور مفلوک الحال شاعر بھی۔ تبھی اس بھیڑ بھڑکے میں انتشار سا پھیل گیا اور لوگ پھسپھسانے لگے" ڈیمیٹریس۔ ڈیمیٹریس"۔ تائیفرا نے بھی اس نام کو دہرایا اور کہا "یہ شخص کبھی باہر نہیں نکلتا۔ آج میں نے پہلی بار اسے اس جگہ دیکھا ہے یہ ملکہ کا عاشق ہے۔ اسی کے سامنے ملکہ نے عریاں ہو کر افرودتے کا مجسمہ بنوایا تھا۔ یہ بہت بڑا فنکار اور اپولو کی طرح خوبصورت ہے اور اب یہ پورے مصر کا مالک بن گیا ہے۔ لیکن یہ تو مجھے کچھ غمگین نظر آ رہا ہے"

سورج غروب ہو چکا تھا۔ عورتیں اس شخص کو پر اشتیاق نظروں سے دیکھ

رہی تھیں۔ لیکن اس نے کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا رفتہ رفتہ شام گہری ہوتی گئی۔ اور لوگ باگ اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔ تبھی ایک حسینہ ایک دیوار کی آڑ سے باہر نکلی اور اس نے ڈیمیٹریس پر زرد گلاب کا ایک پھول پھینکا۔ لیکن ڈیمیٹریس نے اس حسینہ اور اس گلاب کی طرف دیکھا تک نہیں۔

وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر تین گانے والیاں بیٹھی کوئی راگ الاپ رہی تھیں ڈیمیٹریس ان کے قریب جا بیٹھا۔ آج اس کا دل قدرے بوجھل ہو رہا تھا۔ ٹایفرے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اسے دیکھتے ہی عورتیں بے چین ہو اٹھتی تھیں عورتوں کے تحفوں اور نذرانوں سے اس کا گھر بھر گیا تھا۔ عورتیں اس کی خاک تک حاصل کرنے کیلئے بیتاب رہتی تھیں۔ انہیں وجوہ سے وہ ایک ایسی حالت میں جا پہنچا تھا جیسے اس کے تمام تر جذبات سرد ہو گئے ہوں۔ لیکن اس نے اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک طرف محبت تھی اور دوسری طرف ہوس و ہوا۔ اس نے افرودتے کا جو مجسمہ بنایا تھا اس میں ملکہ کا تمام تر حسن تو منتقل کیا ہی تھا اپنی طرف سے دلکش و دلآویز ادائے شامل کر دیئے تھے اور پھر رفتہ رفتہ زندہ ملکہ کی بہ نسبت وہ اس پتھر کے مجسمہ سے زیادہ محبت کرنے لگا۔ وہ اسے نسوانیت کی معراج سمجھتا تھا۔ اور جتنا اس کی طرف دیکھتا تھا اتنا ہی اس کا مطیع ہوتا جاتا تھا۔ اور اس طرح وہ زندہ ملکہ اور اس بت کے درمیان لٹکا ہوا تھا۔

جب وہ محل میں نہیں جاتا تھا تو اس مندر میں چلا جاتا تھا جو ہمیشہ مقدس پجارنوں سے بھرا رہتا تھا۔ وہ ان پجارنوں سے بڑی دیر تک باتیں کیا کرتا تھا لیکن آج وہ اس مندر میں گھستے ہی گھبرا گیا کیونکہ مقدس پجارنیں بھٹک گئی تھیں اور اب گھنے پیڑوں کے نیچے نیم عریاں حالت میں کھڑی اسے بلا رہی تھیں۔ رات

گہری ہو گئی تھی۔ وہ آہستہ قدموں سے مصر کی مٹی کو روندتا ہوا اور ہواؤں بسی ہوئی گلاب اور مہندی کی خوشبو سونگھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ آج اس کے دل میں عجیب و غریب قسم کے خیالات آرہے تھے چلتے چلتے وہ ایک ریتیلے ٹیلے کے پاس آگیا۔ سر اٹھا کر اس نے اوپر کی طرف دیکھا تو اسے پیلے کپڑوں میں ملبوس ایک عورت نظر آئی۔ اس سنسان جگہ پر نہ جانے وہ کیا کرنے آئی تھی۔ چٹکی چاندنی میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ اس کے قریب آگئی اور وہ جب اس کے پاس سے گزری تو اسے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے اس عورت کو اس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے وہ اپنے ہی دھیان میں چلی جارہی تھی۔ ڈیمٹریس کو بڑا تعجب ہوا۔ آخر کون ہے یہ عورت جس نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی فوراً ہی پہاڑی پر چڑھتے چڑھتے وہ تاریکی میں گم ہو گئی۔

ڈیمٹریس صم بکم سا وہیں کھڑا رہ گیا اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس عورت سے نہ جانے کب سے والہانہ محبت کر رہا تھا۔ وہ اس کے پیچھے بھاگا لیکن پھر ٹھٹھک کر رک گیا۔ یہ تو سراسر اس کی شان کے خلاف تھا اسے اپنے آپ پر غصہ بھی آیا اور شرم بھی محسوس ہوئی۔ لیکن یہ عورت وہاں تنہا کیوں آئی تھی؟ کتنی عجیب اور کتنی حسین عورت ہے یہ۔۔۔ وہاں کھڑے کھڑے وہ یہی سب سوچ رہا تھا کہ عورت واپس آتی دکھائی دی۔ قریب پہنچ کر راستے میں کھڑے ڈیمٹریس کی طرف اس نے نگاہِ غلط انداز سے دیکھا۔ اور جیسے ڈیمٹریس حواس باختہ ہو گیا۔ عورت کو اپنے حسن کا پورا پورا احساس اور بجا طور پر ناز تھا ملاح کہا کرتے تھے کہ دور گہرے سمندروں کے اس پار گنگا کے دھاروں میں مقناطیس کی چٹانیں تیرا کرتی ہیں جو دور سے آتے ہوئے جہازوں کے تمام کیل کانٹے اتنی تیزی سے اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں کہ پلک جھپکنے میں جہاز تختہ تختہ ہو جاتے ہیں۔ اور

پھر طوفان ان تختوں کا وجود بھی ختم کر دیتے ہیں ـــ اس حسینہ کی نظروں نے ٹھیک اسی طرح اس کا سارا کس بل اپنی طرف کھینچ لیا تھا اب وہ ٹوٹتے ہوئے جہاز کی طرح طوفان کی آمد کے خیال سے لرزاں تھا۔ جب وہ کچھ اور قریب آئی تو اس نے گھبرا کر کہا۔

"میں تمہاری کورنش بجا لاتا ہوں۔"

عورت نے بھی اخلاقاً دہرایا "میں بھی تمہاری کورنش کرتی ہوں" اور وہ خراماں خراماں اپنے راستے پر چلنے لگی۔ ڈیمٹریس کو شبہ ہوا کہ شاید وہ طوائف نہیں تھی۔ اسی لیئے اس نے پوچھا "کیا تم اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہو؟"

عورت ہنسی اور اس نے کہا "آج تک میرا کوئی شوہر نہیں ہوا" اس کا مطلب تھا کہ وہ طوائف ہی تھی۔ ڈیمٹریس نے کہا "تم کون ہو؟ کیا یہودی ہو؟"

کرئیس نے کہا "لوگ مجھے کرئیس کہتے ہیں۔"

ڈیمٹریس نے اسے چھوا لیکن وہ بولی "اس وقت بہت دیر ہو گئی ہے۔ اب میں جاتی ہوں۔"

ڈیمٹریس نے کہا "چلو، مجھے راستہ دکھاتی ہوئی اپنے ساتھ لے چلو۔"

یہ سن کر وہ بولی "کیا کہا۔ تمہیں راستہ دکھاتی ہوئی ساتھ لے چلوں۔ کیا میں تمہاری زر خرید لونڈی ہوں۔ جانتے ہو، میرے پیچھے تم ایسے کئی جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں ـــ میرے پیچھے آنے کی جرأت نہ کرنا۔"

ڈیمٹریس نے بگڑ کر کہا "تم جانتی نہیں ہو کہ میں کون ہوں؟" اس کے جواب میں کرئیس نے پلٹ کر کہا "میں تمہیں خوب جانتی ہوں۔ تمہیں نے دیوی افرودتے کا مجسمہ بنایا ہے۔ تم میری ملکہ کے محبوب اور آج کل میرے شہر کے حاکم ہو۔ لیکن تم میرے لیئے ایک خوبصورت غلام سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے کیونکہ تم مجھے چاہتے ہو۔"

یہ سن کر ڈیمٹرس ششدر رہ گیا۔ آج تک کسی نے اس کی ایسی توہین نہیں کی تھی۔ وہ ہنس کر بولی "میں جانتی ہوں کہ تم نے کس طرح بیشمار عورتوں کو اپنی محبت میں دیوانہ کر رکھا ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم کس درجہ مغرور ہو۔ میرے جسم کی جس خوبصورتی اور جوانی کو دیکھکر تم فریفتہ ہو گئے ہو۔ اسے لوگوں نے جی بھر کر استعمال کیا ہے پچھلے سات سالوں میں۔ میں اکیلے صرف تین رات سوئی ہوں پچھلے سال میں۔ بیس ہزار لوگوں کے مجمع میں ننگی ناچی تھی۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ تم ان میں نہیں تھے۔ تم سمجھتے ہو کہ میں بے حیا ہوں۔ لیکن ڈیمٹرس تم مجھے کبھی اس حالت میں نہیں دیکھ سکو گے۔ کیونکہ میرے دل میں تمہارے لئے ذرہ برابر عزت نہیں ہے۔ میں تمہاری پرواہ نہیں کرتی۔ تمہیں دھتکارتی ہوں۔ تم ایک بزدل اور بے حس انسان ہو۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ تم پر تھوکتی ہوں۔ میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ تمہارا منحوس سایہ میرے دودھیا بدن پر نہ پڑ جائے۔"

ڈیمٹرس نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس کی کلائی پکڑ لی۔ یہ توہین اس کے لئے ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ لیکن کرائیسس ہنس پڑی۔ اس نے کہا "دیکھو، مجھے اس طرح مت دباؤ۔ میرے ہاتھ دکھتے ہیں!"

ڈیمٹرس جھینپ کر ہٹ گیا۔ پھر بولا "کرائیسس! ڈیمٹرس کو اس طرح دھتکارنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ میں تم سے زبردستی نہیں کرنا چاہتا اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم مجھ سے محبت کرو۔ میں تو بس اتنا چاہتا ہوں کہ تم اپنا غرور چھوڑ دو اور میری توہین نہ کرو۔"

کرائیسس نے کہا "میرے پاس پہلے سے بہت سونا ہے۔ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے میں صرف تین چیزیں چاہتی ہوں۔ اگر تم وہ چیزیں مجھے دے سکو تو میں تمہاری بات مان لوں گی۔" لمحہ بھر کے لئے رک کر اس نے آگے کہا

"مجھے ایک چاندی کا آئینہ چاہیئے جس میں میں اپنی آنکھوں کو دیکھ سکوں۔ میں ایک ہاتھی دانت کی کنگھی چاہتی ہوں۔ جس پر بڑی عمدہ نقاشی کی گئی ہو۔ اور مجھے موتیوں کا ایک ہار چاہیئے جسے پہن کر میں تمہارے سامنے عریاں ہو کر رقص کر سکوں۔"

ڈیمٹرس کو تعجب ہوا کہ وہ اتنی معمولی چیزوں کا مطالبہ کر رہی ہے کرئیس نے کہا، "وعدہ کرو، اقرار دینے کی قسم کھاؤ۔ اس کے بعد میں بتاؤں گی کہ مجھے کس قسم کی چیزیں چاہیئیں۔"

ڈیمٹرس نے کہا، "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے لئے یہ چیزیں ضرور لا دوں گا۔"

کرئیس نے کہا، "بچس نامی میری ایک ہم پیشہ طوائف کے پاس چاندی کا ایک آئینہ ہے جسے وہ بڑی حفاظت سے چھپا کر رکھتی ہے پچھلے ہفتے اس نے میرے ایک عاشق کو ورغلا لیا تھا۔ میں اس سے بدلہ لینا چاہتی ہوں۔ وہ شام کو اپنے گھر کی بیٹھک کے تیسرے پتھر کے نیچے آئینہ چھپا دیتی ہے۔ میرے لئے وہ آئینہ لے آؤ۔"

ڈیمٹرس نے کہا "یہ پاگل پن ہے۔ تم مجھ سے چوری کروانا چاہتی ہو؟"

کرئیس نے کہا، "پھر تو تم مجھے پا چکے۔"

"اچھا، میں اسے لے آؤں گا۔"

"اچھی بات ہے لیکن جو کنگھی میں چاہتی ہوں وہ راج گرو کی بیوی کی کنگھی ہے۔ اسے وہ ہمیشہ بالوں میں چھپا کر رکھتی ہے۔ یہ مصر کی کسی قدیم ملکہ کی کنگھی ہے اس پر ایک عورت کی ننگی تصویر کندہ ہے۔ مجھے وہی کنگھی چاہیئے۔"

"لیکن میں اسے کس طرح حاصل کروں گا؟"

کریئسس نے کہا "کنگھی مجھے کل ہی چاہیئے۔ اس لئے کل دن میں کسی وقت بھی تم اسے قتل کر کے کنگھی لا سکتے ہو"

ڈیمٹرس ابھی اس کے بارے میں سوچنے ہی لگا تھا کہ کریئسس نے اپنا تیسرا مطالبہ رکھدیا، افرودِتے کے مجسمہ کے گلے میں پڑا ہوا موتیوں کا ست لڑیا ہار مجھے لاکر دو"

ڈیمٹرس ایک دم چلا اٹھا" نہیں نہیں۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا"

کریئسس نے کہا" ایسا مت کہو۔ کیونکہ تم ایسا نہیں کہہ سکتے۔ تم جانتے ہو کہ یہ تینوں چیزیں تمہیں میرے لئے لانا ہیں اور تم انھیں لائے بغیر نہیں رہ سکتے، کل شام کیوقت تم یہ چیزیں لیکر میرے پاس آنا۔ اس کے بعد تم جیسے چاہو گے میں تمہاری خدمت کروں گی۔۔۔ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میرے بوسوں میں تمہارے لئے کتنی لذت چھپی ہوئی ہے۔ مجنونانہ سا ڈیمٹرس آگے بڑھا لیکن کریئسس نے اسے روک دیا" ابھی نہیں۔۔۔ ابھی نہیں"

ڈیمٹرس نے کہا" میں تمہارے تینوں مطالبے پورے کروں گا"

وہ چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ڈیمٹرس جب شہر کی طرف چلا تو مارے شرم کے اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

شہر کے باہر دیوی افرودِتے کا مندر میلوں لمبی فصیلوں میں گھرا ہوا تھا۔ یہ مندر اب دو سو برس پرانا ہو چکا تھا۔ ہر برس مختلف ممالک سے جہازوں میں بھر بھر کے خوبصورت دوشیزائیں وہاں لائی جاتی تھیں۔ مندر کے پجاری انھیں باغات میں لے جاکر تربیت دیتے تھے ایک بار کوئی دوشیزہ وہاں آنے کے بعد پھر وہاں سے کبھی باہر نہیں جاتی تھی۔ یہ طوائفیں مردوں سے تو محبت کرتی ہی تھیں

اپنی ہم جنس طوائفوں سے بھی ان کی محبت کم نہیں ہوتی تھی۔ اگر کوئی طوائف حاملہ ہو جاتی اور اس کے یہاں بیٹا پیدا ہوتا تو وہ اولاد اس مندر کی ملکیت سمجھی جاتی تھی اور اگر بیٹی ہوتی تو وہ افرودِتے کی مقدس طوائف بنا دی جاتی۔ نفسانی خواہشات کی وقتی تکمیل کے لئے الگ مندر بنے ہوئے تھے۔ مندر کا فرش سفید سنگِ مرمر کا تھا۔ اور یہاں وہاں رنگین پتھروں سے دیوی دیوتاؤں فرشتوں اور دنیاوی عورتوں کی باہمی مباشرت کے نقش کندہ تھے۔ وہ دنیا گویا ہوس و ہوا کی دنیا تھی۔

ڈیمٹرس افرودِتے کے اس وسیع و عریض مندر یا یوں کہنا چاہیئے کہ جنگل میں گھس گیا۔ اس کے اندر آتے ہی طوائفوں کے جھرمٹ کے جھرمٹ اس کی طرف بڑھے لیکن اس نے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کسی طرح یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ کرئیسس کو لے کر مصر سے دور یونان روم اسیریا وغیرہ کسی ایسی جگہ چلا جائے۔ جہاں اسے چھیڑنے والی کوئی عورت نہ ہو اور نہ ہی کرئیسس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا کوئی مرد — اب وہ راج گرو کے محل کی طرف مڑ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ راج گرو کی نوجوان بیوی ٹونی رات کے پہلے پہر میں اپنے محل کے پچھواڑے سنگ مرمر کے ایک صاف اور شفاف چبوترے پر آرام کیا کرتی تھی۔ ڈیمٹرس نے وہاں پہنچکر دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا۔ اور چبوترے پر اس کے پاس جا بیٹھا۔ اس نے اسے چھوا لیکن ٹونی نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ افق پر چھائی ہوئی لالی سمندر پر منعکس ہو کر اس کے جسم پر پڑ رہی تھی۔ جس سے اس کے ڈھلتے حسن میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ چاند اوپر اٹھنے لگا اور ڈیمٹرس کو اس کی سیاہ گھنی زلفوں میں وہ کنگھی نظر آ گئی۔ جس کے سرے پر جڑا ہوا ہیرا منور ہوا اٹھا تھا۔

"ڈیمٹرس!" وہ جاگ اٹھی اور بڑے تعجب سے بولی "اوہ! تم ہو میرے محبوب آج میں کتنی خوش قسمت ہوں"

"میں تمہیں قتل کرنے آیا ہوں،" ڈیمٹرس نے کہا جس کے جواب میں ایکا ایک وہ لرز اٹھی لیکن پھر ہنس پڑی۔

اس نے ڈیمٹرس کی کلائی تھام لی۔ بولی "پہلے مجھ پر مسرتوں اور لذتوں کی بارش کر دو اور جب میں سرشار ہو جاؤں تو پھر بیشک تم مجھے مار ڈالنا۔ مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ہوگا۔

ڈیمٹرس نے اسے اپنی آغوش میں بھینچ لیا اور۔۔۔۔۔۔ اور پھر اسے قتل کر ڈالا۔

اس کے بعد وہ مندر کے مرکز میں ایستادہ افرودِتے کے مجسمہ کے پاس پہنچا۔ جب اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رنگین چبوترے پر افرودِتے کا عریاں مجسمہ چاندنی میں چمک رہا تھا۔ اس کے قدموں میں بیشمار دولت پڑی تھی اور اس کے گلے میں وہی ست لڑیا ہار پڑا تھا جسے چرانے کے ارادے سے وہ وہاں آیا تھا۔ ڈیمٹرس نے مجسمے کے گلے سے وہ ہار اتار لیا۔

آدھی رات کا گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا جب کسی نے کرٹس کے دروازے پر تین بار دستک دی۔

بستر پر سے اٹھتے ہوئے کرٹس نے پوچھا "کون ہے؟"

آنے والا سفید لمبے چغے میں ملبوس تھا۔ نوکریٹس، ایک فلسفی! اس نے کہا "کل بیچس کے یہاں دعوت ہے میں اسی کے لئے تمہیں مدعو کرنے آیا ہوں۔ دعوت کے بعد جشن ہوگا۔ ضرور آنا"

کرئیسس نے پوچھا "جشن کی وجہ"؟

"کل پجیس اپنی سب سے حسین کنیز افروڈ دو مشیو کو آزاد کردے گی رقص و سرود کی محفل بھی جمے گی۔۔۔ بھولنا نہیں"۔

سفید گلابی، نیلے اور سرخ گلاب کے پھولوں سے سجی ہوئی طوائفیں افرودتے کے مندر میں آنے لگیں۔ ایک لمبی داڑھی والا پجاری ان سے نذرانے لے کر دیوی کے قدموں میں رکھتا جا رہا تھا۔ طوائفوں کا تانتا ختم ہونے کے بعد ایک انتہائی حسین عورت وہاں پہنچی۔ وہ کرئیسس تھی۔ اس نے اپنا کانسے کا آئینہ دیوی کے قدموں میں رکھ کر کہا "میں نے اپنا روپ اس میں دیکھا ہے۔ آج میں اپنے اس عزیز آئینے کو تمہیں سونپتی ہوں تاکہ اس میں دیکھا ہوا میرا حسن ہمیشہ قائم رہے"۔ پجاری نے آئینہ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر کرئیسس نے اپنی کنگھی نکال کر دیوی کے قدموں پر رکھ دی اور کہا۔

"اے دیوی! تو صبح کی لالی کو چیر کر خون رنگ سمندر کے پانیوں سے نکلی ہے میں تمہیں اپنی یہ کنگھی نذر کرتی ہوں"۔ پھر اس نے اپنے گلے سے سچے پنے کا ہار اتارا اور وہ بھی دیوی کی نذر کر دیا۔

پجاری نے کہا "ان قیمتی نذرانوں کے بدلے میں تم دیوی سے کیا چاہتی ہو؟"

اس نے سر ہلا کر جواب دیا "کچھ نہیں"

پجاری حیران رہ گیا اور کچھ دیر بعد وہ بھی چلا گیا۔

کانسے کی منقش چوکی کے اندر سے ڈیمٹرس یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا

اور سوچ رہا تھا کہ — اس نے تین چیزوں کی امید میں اپنی تین چیزیں پہلے ہی دیوی کی نذر کر دیں۔

پچیس سالہ ہیجس کے یہاں آج دعوت تھی۔ بڑے بڑے شاعر، فلسفی اور تاجر وہاں جمع تھے کرئسس بھی آگئی تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ لوگ بے طرح پی پی کر مدہوش ہو رہے تھے تبھی شراب سے بھرے ہوئے حوض نما برتن میں بانسری بجانے والی عورت گر پڑی۔ ہیجس نے اسے دیکھا تو مارے ہنسی کے برا حال ہو گیا وہ چلائی "کنیز! جلدی سے آئینہ لاکر اسے دکھا۔ کنیز کانسے کا آئینہ لے آئی "یہ نہیں"، ہیجس نے کہا " میرا وہ چاندی کا آئینہ"

کنیز جب کافی دیر کے بعد خالی ہاتھ لوٹی تو ہیجس نے بیتابی سے پوچھا" آئینہ کہاں ہے؟"

کنیز نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا" وہ وہاں نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے چوری ہو گیا۔"

ہیجس تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اس نے کنیز کو گلے سے جا دبوچا۔ "تمہیں نے آئینہ چرایا ہے۔" اسے بے تحاشہ پیٹنے لگی۔ دوسری کنیز اپنی مالکن کا یہ رخ دیکھ کر کانپ اٹھی۔ بالآخر ہیجس نے حکم دیا کہ اس کنیز کو صلیب پر لٹکا دیا جائے۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی اور خود ہیجس نے ہتھوڑوں سے اس کے ہاتھوں میں کیلیں ٹھونکیں اور دیکھتے ہی دیکھتے کنیز کے جسم سے خون کے فوارے بہہ نکلے۔ اور وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو گئی۔

کرئسس یہ سب کچھ چپ چاپ دیکھ رہی تھی اور سمجھ گئی تھی کہ ڈیمٹرس اپنا کام کر چکا تھا۔ گھر پہنچنے پر اس نے دیکھا کہ سبھی کچھ ویسے کا ویسا تھا لیکن آج

اندر ہی اندر جیسے کوئی چیز اس کا دل مسوس رہی تھی۔ وہ لیٹ گئی اور پھر نیم غنودگی کے عالم میں اس نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے سر پر سنہرا تاج پہنے ہوئے ہے۔ راجدھانی کی ساری جنتا اس کے سامنے سرنگوں ہے اور بھدی بدصورت اور بوڑھی طوائف بیجس مادر زاد ننگی ہو کر اس کے قدموں میں جھکی ہوئی ہے۔

اس کی آنکھ کھل گئی اور تبھی ایک بہت بڑا پرندہ اس کی بائیں طرف سے پھڑپھڑاتا ہوا سمندر کی طرف اڑ گیا۔ وہ اس بدشگونی سے لرز اٹھی۔

صبح ہو چکی تھی۔ آج دیوی افرودِتے کی سالانہ تقریب کا تیسرا دن تھا۔ اس میں صرف شادی شدہ معزز خواتین ہی حصہ لے سکتی تھیں۔ طوائفیں راستے میں جمع تھیں پہلے ان میں بیجس کی دعوت کے بارے میں گفتگو ہونے لگی اور پھر آہستہ آہستہ کینز کی موت کی خبر بھی پھیل گئی آئینہ کی بات سن کر عورتیں ہنس ہنس کر ایک دوسرے سے پوچھنے لگیں کہ آخر کس نے اسے چرایا ہوگا۔ تبھی مندر کے اندر کی طرف سے ایک کھسپھساہٹ ابھری۔ راجگورو کی بیوی قتل کر دی گئی ہے! چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ لوگوں کا جیسے سانس ہی رک گیا۔ یہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ راجگورو ایسی عظیم ہستی کی بیوی کا قتل ہو سکتا ہے اور وہ بھی دیوی افرودِتے کی تقریب کے دنوں میں۔ اب ملازمین باقاعدہ اعلان کر رہے تھے کہ کسی نے راجگورو کی بیوی کو قتل کر دیا ہے قاتل اس کے بالوں کی زینت بڑھانے والی کنگھی بھی لے گیا ہے۔ تقریب ملتوی کر دی گئی ہے۔

چاروں طرف خوف و ہراس پھیل گیا۔ اتنے بڑے اسکندریہ میں آج تک کبھی اتنی بھیڑ جمع نہیں ہوئی تھی۔ ساحل سمندر پر تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ بلکہ برنس کے سرداروں نے جب پہلے حکمران ڈامی اور لیس کو قتل کر کے برنس کے ملکہ بننے

کا اعلان کرتے ہوئے اسکندریہ پر ملکہ کا جھنڈا لہرایا تھا تب بھی ساحل سمندر پر اتنی زیادہ بھیڑ جمع نہیں ہوئی تھی۔ اسی بھیڑ میں سے ایک شخص نے چلا کر کہا "میرے خیال میں جس شخص نے بچس کا آئینہ چرایا ہے وہی قوفی کا بھی قاتل ہے۔" اس پر پہلے سے دہشت زدہ طوائفیں رونے لگیں۔ اور پھر مندر کی طرف بھیڑ کا دباؤ اور بھی بڑھ گیا۔ اور یہ دباؤ آہستہ آہستہ سرکتے ہوئے سامنے آپہنچا۔ تبھی فضا میں ایک لرزہ براندام آواز گونجی ۔۔۔" طوالفو! مقدس طوائفو!" تمام سامعین کھڑے ہو گئے۔ وہ آواز پھر گونجی "دیوی افرودیتے کا موتیوں کا ہار یعنی اناڈایومینیوں کے موتیوں کا ہار چوری ہو گیا ہے۔" سب کے چہرے ایک دم سفید پڑ گئے، کس درجہ غضبناک خبر تھی۔ اس خبر سے پوری کی پوری بھیڑ کانپ اٹھی اور تبھی کوئی ڈر کے مارے سرپٹ بھاگنے لگا اور اس کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور کچھ دیر میں ہی وہ جگہ سنسان ہو گئی۔ صرف ایک عورت اور ایک مرد وہاں بیٹھے رہ گئے اور وہ بھی ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جنتا پر اس چوری اور اس قتل کا کیا ردِ عمل ہوا تھا۔ ان میں ایک کرائسس تھی اور دوسرا ڈیمٹرس۔ بھیڑ چھٹ جانے کے بعد کرائسس بھاگتی ہوئی ڈیمٹرس کے پاس آ گئی اور اس کے گھٹنے پکڑ کر بولی "میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ اب تک کبھی میں نے یہ محسوس نہیں کیا تھا کہ محبت کیا چیز ہوتی ہے۔ میں تمہیں اپنی ساری محبت ساری ہوس سارا عورت پن دے ڈالوں گی۔ آج میں بہت خوش ہوں اس لئے میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں ۔۔۔ لو میرا بوسہ لو۔"

"نہیں" ڈیمٹرس نے کہا۔ اور سڑک کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔۔۔ "الوداع!"

یہ سن کر کرائسس ششدر رہ گئی۔ پھر وہ اس کے پیچھے بھاگی۔ اور اسے گھٹنوں

سے بکڑ کر بولی "یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو؟"

"ہاں،" ڈیمٹرس نے جواب دیا "تمہیں سے کہہ رہا ہوں کرئسس"۔

"لیکن کیوں۔ ایکا ایک تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہی" ڈیمٹرس نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا "سنو، میں نے ہی وہ آئینہ چرایا ہے، میں نے ہی اس بے قصور ٹونی کو قتل کیا ہے اور میں نے ہی دیوی افرودیتے کے گلے سے موتیوں کا ہار اتارا ہے۔ ان سب چیزوں کو تمہیں دے کر میں تمہیں حاصل کرنے والا تھا۔ ہے نا، اور اس طرح جو کچھ تم مجھے دیتیں اور جواب دینے کے لئے تیار ہو اس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی۔ ہے نا یہی بات! لیکن اب مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیئے۔ اب برائے مہربانی تم بھی وہی کرو جو میں کر رہا ہوں اور مجھے چھوڑ دو۔"

کرئسس نے کہا "تو پھر وہ چیزیں تم اپنے ہی پاس رکھو۔ مجھے وہ نہیں چاہئیں مجھے تو بس تم، تمہاری محبت، تمہاری آغوش چاہیئے۔"

ڈیمٹرس نے مضبوط لہجے میں کہا "یہ سب کچھ اب تمہیں نہیں مل سکتا کیوں کہ اب میں تمہیں بالکل نہیں چاہتا۔"

اس تبدیلی کو کرئسس سمجھ نہیں پائی۔ ڈیمٹرس نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "اب سب کچھ ہو چکا ہے۔ کرئسس میں تمہارے خوبصورت اور جوان جسم کو بھوگ چکا ہوں۔"

"اوہ! تم پاگل ہو گئے ہو" کرئسس نے گلوگیر آواز میں کہا "کب؟ کہاں؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں" ڈیمٹرس نے جواب دیا "تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے اور میں تمہیں بھوگ چکا ہوں۔ جو کچھ میں تم سے چاہتا تھا وہ تمہاری لاعلمی میں ہی مجھے مل چکا ہے۔ آہ! کرئسس تم سچ مچ کتنی خوبصورت تھیں اور جنسی لحاظ سے کس قدر مکمل

یہ سب سکھ میں نے تمہارے سائے سے حاصل کیا ہے اور اس کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں لیکن اب اس کھیل کو اور آگے نہیں بڑھانا چاہتا ہے۔"

"اوہ تم بڑے خود غرض اور سنگدل ہو"، کرائسس نے روتے ہوئے کہا، "تم نے مجھے غمگین کر دیا ہے۔ ڈیمٹرس میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

ڈیمٹرس نے کانپتی آواز میں کہا "کرائسس! کیا اس وقت تمہیں بھی میری کچھ فکر ہوئی تھی۔ جب میرے وقتی جوش اور کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تم نے مجھے اتنے بڑے تین جرم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جانتی ہو، وہ تینوں جرم زندگی بھر مجھے کچوکے دیتے رہیں گے۔ اور ندامت سے میرا سر ہمیشہ جھکا رہے گا۔ تم نے اس وقت میرے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا اور اگر اس وقت میں تمہارے بارے میں نہ سوچوں تو اس میں برا کیا ہے؟"

کرائسس نے کہا "اگر میں ویسا نہ کرتی تو تم ہرگز میری طرف متوجہ نہ ہوتے۔ خیر" اس نے لمحہ بھر کے لئے رک کر کہا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟"

ڈیمٹرس نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ قدرے توقف کے بعد وہ بولا "سنو کرائسس! وہ جو آئینہ، کنگھی اور موتیوں کا ہار میں نے تمہارے لئے چرایا ہے، اسے تم نے یقینی طور پر اپنے استعمال کے لئے نہیں مانگا تھا کیوں کہ چوری کی کسی چیز کی کوئی نمائش نہیں کر سکتا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ چیزیں تم نے اپنے لئے نہیں مانگی تھیں۔ مانگی تھیں تو صرف اپنی بے رحم فطرت کی تسکین کے لئے۔ تم دیکھ چکی ہو کہ لوگ کتنے بھڑک اٹھے ہیں تم نے کتنے بڑے جرم کروائے ہیں مجھ سے۔ اور اب میں چاہتا ہوں کہ تم ان چیزوں کو پہنو۔"

"کیا؟ کیا کہا؟" کرائسس چلائی۔ "میں انہیں پہنوں؟"

"ہاں" ڈیمٹرس نے پرسکون لہجے میں کہا "تم مندر کے پیچھے ہرمس کی مورتی کے پاس جاؤ۔ وہ جگہ سنسان ہے۔ اس مورتی کے بائیں پیر کے نیچے کا پتھر ہلانے پر تمہیں وہ تینوں چیزیں مل جائیں گی۔ انہیں لے جاکر پہنو۔ اور جب انھیں پہن کر تم باہر نکلوگی تو ملکہ برنس کے سپاہی تمہیں گرفتار کرلیں گے اور پھر دوسرے دن، سورج نکلنے سے پہلے، جیساکہ تم چاہتی ہو، میں ڈیمٹرس تمہارے پاس جیل خانے میں آجاؤں گا" وہ چکراکر زمین پر بیٹھ گئی۔ آج ڈیمٹرس اسے ویسے ہی چھوڑ گیا تھا جس طرح تین دن پہلے وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ انواع و اقسام کی باتیں سوچتی ہوئی بالآخر وہ اس مورتی کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے کنگھی، آئینہ اور موتیوں کا ہار نکال لیا۔ اپنی زلفوں میں کنگھی سجاکر اور گلے میں ہار پہن کر اس نے آئینہ میں اپنا روپ دیکھا اور اپنی لال ریشمی اوڑھنی سے اچھی طرح ان چیزوں کو ڈھک کر وہ اپنے گھر کو چلی گئی۔

وسیع اور عریض مندر میں آج پھر بھیڑ جمع ہوگئی تھی۔ ان تین چوریوں سے لوگ بے حد سراسیمہ ہوگئے تھے اور ہاتھ اٹھاکر خدا سے دعائے خیر مانگ رہے تھے۔ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا وہ سمندر اصلی سمندر کے شور و شغب سے بازی لے گیا تھا۔ تبھی بھیڑ میں سے کسی کی آواز آئی اور پھر اس آواز میں بے شمار آوازیں شامل ہوگئیں" افرودتے ۔ افرودِتے۔

اور دوسرے ہی لمحے ہزاروں آنکھیں سامنے کے اونچے پربت کی طرف گھوم گئیں۔ اسی دوران میں ملکہ برنس کی پالکی بھی وہاں آپہونچی۔ لیکن سبھی لوگوں کی نگاہیں پربت پر جمی ہوئی تھیں جہاں کرائسس دیوی افرودِتے کی طرح ایک پاؤں اٹھاکر دوسرے گھٹنے کے سہارے بیٹھی ہوئی تھی۔ اور

مادر زاد ننگی تھی۔ اس کے سینے پر ہار لٹک رہا تھا۔ زلفوں میں کنگھی اڑی ہوئی تھی اور دائیں ہاتھ میں آئینہ تھا۔ لوگ اس کا یہ رنگ و روپ دیکھکر کراہ اٹھے۔ اور پھر سے چلانے لگے" افرودِتے! افرودِتے!!"

سپاہی پربت پر اس کے پاس جا پہنچے تھے۔

جیل کی کوٹھری میں کرِٹس اکیلی تھی۔ اسے پرانی باتیں یاد آ رہی تھیں اور طرح طرح کے خیالات پریشان کر رہے تھے۔ تبھی آہستہ سے دروازہ کھلا اور ڈیمٹرس اندر داخل ہوا۔ کرِٹس سمجھی کہ ڈیمٹرس اسے بچانے کے لئے آیا ہے۔ اور وہ اس کی طرف لپکی لیکن ڈیمٹرس کو بت کی طرح کھڑا دیکھکر ٹھٹھک گئی۔ ڈیمٹرس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اور جھروکے کے پاس جا کر طلوعِ آفتاب کا سہانا منظر دیکھنے لگا۔ وہ کھاٹ پر بیٹھ گئی۔ اسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی۔ ڈیمٹرس نے پلٹ کر بڑے اطمینان کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔

دو سپاہیوں کے ساتھ جیل خانے کا بوڑھا داروغہ اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں زہر کا پیالہ تھا۔ ڈیمٹرس کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا "حضور پیالہ حاضر ہے" اور پھر اسے کرِٹس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ کرِٹس نے ڈیمٹرس کی طرف دیکھا لیکن وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ کرِٹس نے پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا اور اس میں سے آدھا زہر پی گئی۔ آدھے زہر کو اس نے ڈیمٹرس کی طرف بڑھایا لیکن ڈیمٹرس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ اس پر اس نے باقیماندہ زہر بھی حلق میں انڈیل لیا اور جھروکے میں سے باہر کی طرف جھانکنے لگی۔

بوڑھے داروغہ نے اس کے ایک پیر پر دباؤ ڈال کر پوچھا "دباؤ محسوس ہوتا ہے؟"

"نہیں" کرِٹس نے کہا اور زمین پر لڑھک گئی

ڈیمٹرس اپنے نگار خانے میں بڑی بے چینی کے ساتھ ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ پھر وہ پتھر کے بنے ہوئے ایک بہت بڑے گھوڑے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اور پھر اچانک اس نے اپنے خادم کو آواز دی۔ خادم کے حاضر ہونے پر اس نے کہا، "فوراً جیل خانے جاؤ اور داروغہ سے کہو کہ اگر طوائف کرٹسس کی لاش کو ابھی تک کھائی میں نہ پھینکا گیا ہو تو اسے روک لے اور جب تک میں دوسرا حکم نہ بھیجوں وہیں رہے۔ دوسرے خادم کو اس نے لال مٹی گوندھ کر جیل خانے میں پہنچانے کا حکم دیا۔

جب وہ اپنے نگار خانے سے باہر نکلا تو رات ہو چکی تھی۔ جیل خانے کے دروازے پر اسے اپنے دونوں خادم مل گئے۔ کرٹسس کی لاش ابھی تک اسی کوٹھری میں تھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے اس کے چہرے پر سے کپڑا ہٹایا اور بڑی دیر تک ایک ٹک اس کے حسین چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اسے کمر تک عریاں کر کے دیکھا۔ اور پھر بالکل عریاں کر دیا۔ وہ عورت کا حقیقی روپ دیکھنا چاہتا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے اسے دیوار کے سہارے بٹھایا اور پھر جھروکے کے پاس میز پر رکھے ہوئے لال مٹی کے تودے پر اسکی انگلیاں چلنے لگیں۔ آہستہ آہستہ کرٹسس کی لاش مٹی میں زندہ ہونے لگی ـــــ

ـــــ اور جب پتلا تیار ہو گیا تو اسے اپنے سامنے رکھ کر ڈیمٹرس نے سنگِ مرمر تراشنا شروع کر دیا۔ کرٹسس کا ـــــ افرودیتے کا مجسمہ بنانے کے لئے!

آلبیئر کامو

اجنبی

آلبیئر کامو کی پیدائش ۱۹۱۳ء میں ہوئی اور وفات ۱۹۶۱ء میں ایک موٹر حادثے میں۔ پرورش آپ کی منڈووی، الجیریا میں ہوئی اور تعلیم آپ نے فلسفہ کی حاصل کی۔ پھر تھیٹر میں دلچسپی لینے لگے غریب گھرانے کے فرد ہونے کے باوجود آپ نے کافی سیاحت کی۔ ۱۹۴۰ء میں فرانس سے الجیریا لوٹ گئے اور وہی کام کرنے لگے۔ اسی برس آپ کی شادی ہوئی۔ اور پھر ۱۹۴۲ء میں آپ سیاست میں حصہ لینے لگے۔ آپ بے تحاشہ سگریٹ پینے کے عادی تھے۔

دی سٹرینجر (اجنبی) آپ کا بے حد مقبول ناول ہے۔

ALBERT CAMUS

L'ETRANGER

موسیو میورسول الجیرس شہر کے ایک دفتر میں کام کرتا تھا اس کی مالی حالت ایسی نہیں تھی کہ اپنی ماں کے رہن سہن کا مناسب انتظام کر سکتا اس لیے اس نے ماں کو مارنگو کے بوڑھوں کے آشرم میں بھیج دیا۔ آشرم الجیرس سے تقریباً پچاس میل دور تھا۔ تین سال تک آشرم میں رہنے کے بعد میورسول کی ماں کی موت وہیں ہوگئی۔ اطلاع ملنے پر میورسول نے دفتر سے دو دن کی چھٹی لی اور دوپہر کی بس سے آشرم کے لیے روانہ ہوگیا وہاں پہنچنے پر آشرم کے منتظم نے اسے مادام میورسل کے پاس مردہ گھر میں پہنچا دیا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کی ماں کی خواہش تھی کہ اسے گرجا کی رسومات کے مطابق دفنایا جائے۔ منتظم کے وہاں سے جاتے ہی آشرم کے چوکیدار نے آکر کہا کہ اگر وہ آخری بار اپنی ماں کا چہرہ دیکھنا چاہتا ہے تو وہ تابوت کے پیچ کھول دے گا لیکن میورسول نے منع کر دیا چوکیدار کو میورسول کی اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ وہ اپنی مردہ ماں کے درشن نہیں کرنا چاہتا پھر بھی اس بارے میں اس نے کچھ نہیں کہا۔ اور میورسول سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد وہ میورسول کے لیے کافی بنا لایا۔ میورسول نے کافی پی لی۔ اور پھر رسم کے مطابق اس نے ماں کے سنگی ساتھیوں کے ساتھ تابوت کے پاس رات جگا کیا

اور دوسرے دن تابوت کو قبر میں اتارنے کے بعد وہ واپس الجیرس لوٹ آیا۔ میورسول حالات اور واقعات کے تئیں غیر جانبداری کا رویہ اپنانے والا شخص تھا اس لئے ماں کی وفات سے وہ زیادہ بے چین نہیں ہوا۔ ویسے اپنی ماں سے اسے کافی محبت تھی۔

شہر لوٹنے پر میورسول اپنے آپ کو بہت تھکا ہوا محسوس کرنے لگا اس لئے گھر پہنچتے ہی وہ سو گیا۔ دوسرے دن سنیچر وار تھا۔ سنیچر اور اتوار کی اس کی چھٹی رہتی تھی۔ جب وہ سو کر اٹھا تو بھی اس کی تھکان پوری طرح نہیں اتری تھی۔ لیکن چھٹی کا دن تو کسی طرح گذارنا ہی تھا اس لئے وہ بندرگاہ جانے والی ٹرام کے ذریعہ نہانے کے تالاب پر چلا گیا وہاں اسے اپنے دفتر کی ایک ساتھی ٹائپسٹ میری کارڈانا مل گئی۔ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے بہت پہلے سے کشش تھی یہاں ملے تو تالاب میں نہانے کے ساتھ ساتھ کافی دیر تک اٹھکیلیاں کرتے رہے۔ پھر دونوں نے شام کو ایک مزاحیہ فلم دیکھی اور اس رات میری میورسول کے گھر میں رہ گئی۔ میورسول نے ماں کی موت کا غم بھلا کر لطف کے لمحات سے حتے الامکان حظ حاصل کیا۔ اتوار کا دن بھی اس نے جیسے تیسے گذار دیا اور پیر کے دن دفتر جا پہنچا۔

جب میورسول دفتر سے لوٹا تو اس کا پڑوسی ریمنڈ سنتے اسے اپنے یہاں ڈنر پر لے گیا۔ ریمنڈ کے بارے میں لوگوں کی رائے اچھی نہیں تھی وہ اسے عورتوں کا دلال کہتے تھے لیکن وہ خود اپنے آپ کو مال گودام کا ملازم بتاتا تھا۔ ڈنر پر ریمنڈ نے میورسول کو اپنی آپ بیتی سنائی اور کہا کہ وہ ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ جس نے اسے دھوکا دیا۔ اب وہ

اس لڑکی سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اور اس کے لئے اسے میورسول کی مدد کی ضرورت تھی۔ ریمنڈ نے تفصیل سے پوری بات بتلاتے ہوئے کہا کہ وہ اسے ایک ایسا تلخ خط لکھنا چاہتا ہے کہ لڑکی تلملا اٹھے اور اسے اپنے کیے پر افسوس ہونے لگے۔ اور اس کے بعد جب لڑکی ریمنڈ کے پاس واپس آئے تو وہ اسے بے عزت کر کے گھر سے نکال دے۔ ایسا خط لکھنا چونکہ ریمنڈ کے بس کی بات نہیں تھی اس لیے اس نے میورسول سے ایسا خط لکھنے کی درخواست کی۔ شراب کے نشے میں ہونے پر بھی میورسول نے خط لکھ دیا جو ریمنڈ کو پسند بھی آ گیا۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد تک میورسول دفتر کے کام میں مصروف رہا اور سنیچر وار کو پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق میری کے ساتھ ساحل سمندر پر غسل کی خاطر گیا۔ اسی دن جب میری میورسول کے کمرے میں تھی ریمنڈ کے زور زور سے چلانے کی آواز سنائی دی۔ اس نے اپنی محبوبہ کو پیٹا تھا جس سے لوگوں کی بھیڑ سیڑھیوں پر جمع ہو گئی تھی اور پولیس کا ایک سپاہی بھی آ گیا تھا۔ سپاہی نے اس لڑکی کو تو وہاں سے بھگا دیا۔ لیکن ریمنڈ کو تھانے سے بلاوا آنے تک اپنے ہی کمرے میں رہنے کا حکم دیا۔ میری کے چلے جانے کے بعد ریمنڈ میورسول کے کمرے میں آیا اور اسے اپنے حق میں گواہی دینے کو کہا۔ میورسول اس بات کی گواہی دینے کے لئے تیار ہو گیا کہ اس لڑکی نے ریمنڈ کو دھوکا دیا تھا۔ اس کے بعد دونوں ساتھ ساتھ ٹہلنے کے لئے گئے۔ ریمنڈ نے میورسول کو برانڈی پلائی۔ جب وہ واپس آئے تو ان کا بوڑھا پڑوسی سلامانو گھبرایا ہوا سا اپنے کتے کو ڈھونڈ

رہا تھا۔

ایک دن ریمنڈ نے میورسول کو اس کے دفتر میں فون کیا کہ اگلے اتوار کی چھٹی وہ الجیرس شہر کے باہر ساحل سمندر پر بنے ہوئے اسکے ایک دوست کے بنگلے میں گذارے۔ میورسول کو اس نے یہ بھی بتایا کہ صبح سے کچھ عرب اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ جن میں سے ایک اس لڑکی کا بھائی ہے، جس کی اس نے بے عزتی کی تھی۔ اگر گھر لوٹتے وقت وہ انہیں چکر کاٹتے دیکھے تو اشارے سے اسے بتا دے۔ میورسول نے ریمنڈ سے ہاں کر لی۔ اسی دن میورسول کے صاحب نے اپنی کمپنی کی ایک شاخ پیرس میں کھولنے کا فیصلہ کر کے میورسول سے پوچھا کہ کیا وہ پیرس میں رہنا پسند کرے گا۔ میورسول نے جواب دیا کہ وہ کہیں بھی رہے اس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میورسول کی اس بے اعتنائی سے صاحب کو دکھ ہی ہوا جب اس نے کہا "صاحب اپنی حقیقی زندگی کو کیا کبھی کوئی بدل سکا ہے۔ جیسا ایک ڈھرا ویسا ہی دوسرا۔ میری زندگی جس موجودہ ڈھرے پر چل رہی ہے مجھے تو اس سے بھی کوئی شکایت نہیں ہے" صاحب نے اس سے کہا کہ اس میں زندگی کے تئیں جوش اور ولولے کی کمی ہے ——— اس شام کو میری نے میورسول سے پوچھا۔ "کیا تم مجھ سے شادی کرو گے؟" میورسول نے جواب دیا کہ اگر تم چاہتی ہو تو کر لوں گا۔ میری نے پوچھا "کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

"پوچھنا ہی بیکار ہے۔ کم از کم اس طرح کے سوال کے کوئی معنی

نہیں ہیں۔ پھر بھی معلوم ہوتا ہے کہ میرے دل میں تمہارے لئے محبت جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر شادی کس لئے کرو گے؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے — ہاں، اگر شادی کرنے سے تمہیں سکھ مل سکتا ہے تو چلو اسی وقت کئے لیتے ہیں۔"

اس کے بعد وہ دونوں گھومنے گئے۔ بعد ازاں میری تو اپنے گھر چلی گئی اور میورسول سیلیستے کے ریستوران میں کھانا کھانے کے بعد لوٹا۔ اپنے کمرے کی طرف مڑتے ہی اسے بوڑھا سلامانو مل گیا جو اپنے کتے کا رونا روتا رہا ہے اسے اپنے کتے کے کھو جانے کا بے حد افسوس تھا۔ اس نے کتے کو پانے سے لیکر اب تک کی کہانی میورسول کو سنائی۔ جاتے جاتے بھی وہ اپنے کتے ہی کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔

آخر اتوار کا دن بھی آگیا اور میری اور میورسول اپنے نہانے کے لباس لے کر ساحل سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ریمنڈ بھی ان کے ساتھ تھا۔ راستے میں ریمنڈ نے میورسول کو بتایا کہ عرب اس وقت بھی اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ اس بات سے ریمنڈ پریشان بھی دکھائی دیتا تھا۔ جیسے تیسے انھوں نے بس پکڑی اور ریمنڈ کے دوست میسن کے بنگلے پر جا پہنچے۔ ریمنڈ نے میسن سے میورسول اور میری کا تعارف کرایا۔ میسن کی بیوی بھی وہاں موجود تھی۔ میسن نے میورسول کو بتایا کہ وہ اپنی چھٹیاں اس بنگلے میں گذارا کرتا تھا۔ اسی طرح کی بات چیت کرتے ہوئے میسن، میری اور میورسول سمندر میں نہانے چلے

گئے۔ ریمنڈ اور میسن کی بیوی بنگلے پر ہی رہے۔ نہانے اور کافی دیر تک سمندر کی ریت پر لیٹنے کے بعد جب وہ لوگ واپس ہوئے تو دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔

کھانے کے بعد میری اور میسن کی بیوی بنگلے پر رہیں اور میسن، ریمنڈ اور میورسول گھومنے کے لئے چلے گئے۔ جب تینوں سمندر کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے اور سمندر کی بھٹکتی ہوئی لہریں ان کے پیروں کو بھگو رہی تھیں۔ تبھی میورسول نے دیکھا کہ دو عرب ان کا پیچھا کر رہے ہیں۔ اس نے ریمنڈ کو اشارے سے بتایا اور پھر کچھ دیر میں ہی وہ ان کے بالکل قریب آ گئے۔ میسن اور ریمنڈ نے دونوں کو گھونسوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔ ریمنڈ جس عرب پر گھونسے برسا رہا تھا اس نے اچک کر چاقو نکال لیا اور تابڑ توڑ واروں سے ریمنڈ کا بازو اور چہرہ گود ڈالا۔ میسن ادھر آیا تو دوسرا عرب بھی پہلے والے کے پاس آ گیا۔ اور دونوں چاقو تان کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے اور پھر بھاگ گئے۔ میسن اور میورسول کندھے کا سہارا دے کر ریمنڈ کو بنگلے تک لائے۔ میری اور مسز میسن ریمنڈ کی یہ حالت دیکھ کر بے حد گھبرائیں لیکن میسن اسے ڈاکٹر کے یہاں لے گیا۔ میورسول بنگلے پر ہی رہا۔ ڈیڑھ بجے کے قریب ریمنڈ ڈاکٹر کے یہاں سے لوٹ آیا اور آتے ہی سمندر کی طرف چکر لگانے چلا گیا۔ ریمنڈ نے میسن اور میورسول میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ نہیں آنے دیا پھر بھی میورسول اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جہاں ساحل ختم ہوتا تھا وہاں ایک چٹان کے پیچھے سے

تھی۔ ریمنڈ اسی طرف گیا۔ وہاں وہ دونوں عرب ریت پر لیٹے ہوئے تھے۔ ریمنڈ نے پستول تان کر اس عرب پر گولی چلانی چاہی جس نے چاقو سے اس پر حملہ کیا تھا لیکن میورسول نے آگے بڑھ کر اسے روکا اور کہا کہ جب تک وہ چاقو نہ نکالے اسے پستول نہیں چلانا چاہیئے۔ ریمنڈ نے میورسول کی بات مان کر پستول میورسول کو دے دی اور وہ ان عربوں کی طرف بڑھا ہی تھا کہ وہ وہاں سے بھاگ گئے۔ اسکے بعد میورسول اور ریمنڈ بنگلے پر لوٹ گئے۔ ریمنڈ تو سیڑھیاں طے کر کے اوپر چلا گیا۔ لیکن میورسول دھوپ میں کھڑا رہا۔ اور کچھ دیر بعد اکیلا ہی اس چٹان کی طرف چلدیا۔ دھوپ کے مارے برا حال ہو رہا تھا لیکن وہ چلا جا رہا تھا۔ دھوپ نے اس پر ایک طرح کی جنونی کیفیت طاری کر دی تھی وہ چٹان کے اس پار اس خوبصورت جگہ پر جانا چاہتا تھا جہاں کچھ دیر پہلے وہ عرب ملے تھے۔ وہاں بڑی ٹھنڈی چھاؤں تھی۔ جب میورسول وہاں پہنچا تو ریمنڈ کو زخمی کرنے والا عرب وہاں اکیلا لیٹا ہوا تھا۔ میورسول کو اپنی طرف آتا دیکھکر اس نے چاقو نکال لیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ میورسول پر وار کرتا، میورسول نے ریمنڈ والا پستول داغ دیا۔ عرب پر اس نے تابڑ توڑ پانچ گولیاں چلائیں اور اس نے وہیں دم توڑ دیا۔

عرب کے قتل کے جرم میں میورسول گرفتار کر لیا گیا۔ ابتدائی کارروائی کے لئے اسے ایک مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا گیا جس نے اس سے کئی طرح کے سوالات کئے۔ اپنے مقدمے کی پیروی کیلئے چونکہ اس نے کوئی وکیل نہیں کیا تھا اس لئے سرکار کی طرف سے

اسے وکیل کی سہولت فراہم کر دی گئی۔ دوسرے دن صبح وکیل نے میور سول کو بتایا کہ عدالت کی طرف سے اس کے کردار کی تفتیش ہو رہی ہے۔ اور مارینگو بین کی گئی پوچھ تاچھ کے سلسلے میں پولیس نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اس نے اپنی ماں کے کفن دفن کے وقت بڑی بے اعتنائی کا ثبوت دیا تھا۔ وکیل نے اس سے کہا کہ وہ اپنے بیان میں اس بات پر خاص طور سے زور دے کر اسے اپنی ماں سے بے پناہ محبت تھی اور اس کے مرنے سے اسے بے حد رنج ہوا تھا۔ اسی دن مجسٹریٹ نے میور سول سے اس قتل کے متعلق پوری تفصیل بیان کرنے کے لئے کہا۔ میور سول نے ریمنڈ کی پہلی ملاقات سے بیکر ساحل سمندر کے اس بنگلے میں جانے، عربوں کے ساتھ جھگڑا ہونے اور پھر اکیلے ساحل پر جاکر اس عرب پر گولیاں چلانے کی پوری روئیداد بیان کر دی۔ یہی روئیداد چونکہ میور سول کو بار بار سنانی پڑ رہی تھی۔ اس لئے وہ کچھ عاجز سا آگیا تھا۔ اور پھر جب مجسٹریٹ نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ اپنی ماں سے محبت کرتا تھا تو اس نے جواب دیا کہ جس طرح دوسرے لوگ اپنی ماؤں سے محبت کرتے ہیں اسی طرح وہ بھی کرتا تھا۔ مجسٹریٹ نے پوچھا کہ اس نے عرب پر گولی کیوں چلائی تھی؟ جب اس بات کا میور سول کوئی جواب نہ دے سکا تو اسے صلیب پر ٹنگے ہوئے عیسیٰ کا بت دکھایا گیا اور کہا گیا کہ اسے اپنے گناہ کا کفارہ کرنا چاہیئے۔ اور خدا کے انصاف کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔ جب

کہ انصاف کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔ جب میورسول نے بتایا کہ وہ خدا کو نہیں مانتا تو مجسٹریٹ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے کہا "میں نے اپنی زندگی میں تم ایسا احمق اور بے رحم آدمی نہیں دیکھا۔ آج تک نہ جانے کتنے مجرم یہاں آئے ہیں اور سب کے سب صلیب پر لٹکے ہوئے عیسیٰ کے بت کو دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے ہیں" اس سب کے باوجود میورسول کا دل اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ وہ مجرم ہے۔

ان دنوں میورسول کو حوالات میں رکھا گیا تھا۔ شروع کے کچھ دنوں میں تو اُسے یہ محسوس ہی نہیں ہوا کہ وہ حوالات میں بند ہے اسے اس بات کی پوری امید تھی کہ اچانک کوئی ایسی بات ہو گی جس سے وہ اس مصیبت سے چھوٹ جائے گا۔ ایک دن میری اس سے ملنے آئی اور اس نے کہا "تم دیکھ لینا، سب ٹھیک ہو جائیگا پھر ہم لوگ شادی کر لیں گے" میورسول نے پوچھا "تم کیا سچ مچ یہی سوچتی ہو؟"

"ہاں، ہاں تم ضرور چھوٹ جاؤ گے۔ پھر ہم اسی طرح اتوار کے دن نہانے کے لئے جایا کریں گے۔"

ان باتوں سے میورسول کی طبعی بے اعتنائی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لیکن جوں جوں دن گزرتے گئے رفتہ رفتہ وہ بھی دوسروں کی طرح سوچنے لگا۔ اب اسے بھی اپنے وکیل کا انتظار رہتا۔

اور پھر اس کا مقدمہ عدالت میں پیش ہو گیا۔ دوسرے قیدیوں کی طرح گاڑی میں بٹھا کر اسے بھی عدالت میں لایا گیا اسے کٹہرے میں

کھڑا کر دیا گیا اور کارروائی شروع ہوئی۔ جج، جیوری اور اخبار نویسوں کے علاوہ وہاں تماشائیوں کی بھی بھیڑ تھی۔ ریمنڈ، میسن، میری سلامانو وغیرہ لوگوں نے اس کے حق میں گواہیاں دیں میورسول سے بھی کچھ سوالات پوچھے گئے۔ سرکاری وکیل نے میورسول کو قاتل ثابت کرنے کی پوری کوشش کی۔ اپنے دلائل میں اس نے کہا کہ میورسول ایک بے رحم انسان ہے جس نے اپنی ماں کے کفن دفن کے وقت بے رحمی کا رویہ اپنائے رکھا۔ اور اس کے دوسرے دن اس نے میری کے ساتھ ایک مزاحیہ فلم دیکھی اور اسی کے ساتھ رات بسر کی۔ اسے اپنی ماں کی موت کا کوئی غم ہی نہیں ہوا۔

ریمنڈ کے ساتھ سازش کر کے اس نے ریمنڈ کی محبوبہ کو خط لکھا اور جب ریمنڈ کی محبوبہ اس کے کمرے میں آئی تو ریمنڈ نے اسے بے عزت کیا۔ ریمنڈ سے اس نے پستول لیا اور اس عرب کے دانستہ قتل کے لئے موقع واردات پر جا پہنچا۔ اور پھر ایک گولی چلانے پر جب اس نے دیکھا کہ اس سے عرب مرا نہیں تو اس نے چار اور گولیاں اس کے جسم میں اتار دیں۔

— ایک قاتل کی سی بے رحمی شروع ہی سے میورسول میں تھی — اس بات پر سرکاری وکیل نے خاص زور دیا۔ میورسول نے اپنے جرم پر اظہار افسوس نہیں کیا۔ یہ بھی اس کی بے رحمی کی علامت سمجھی گئی۔ انصاف کے نام پر سرکاری وکیل نے میورسول کو پھانسی کی سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ دوسرے دن میورسول کے وکیل نے

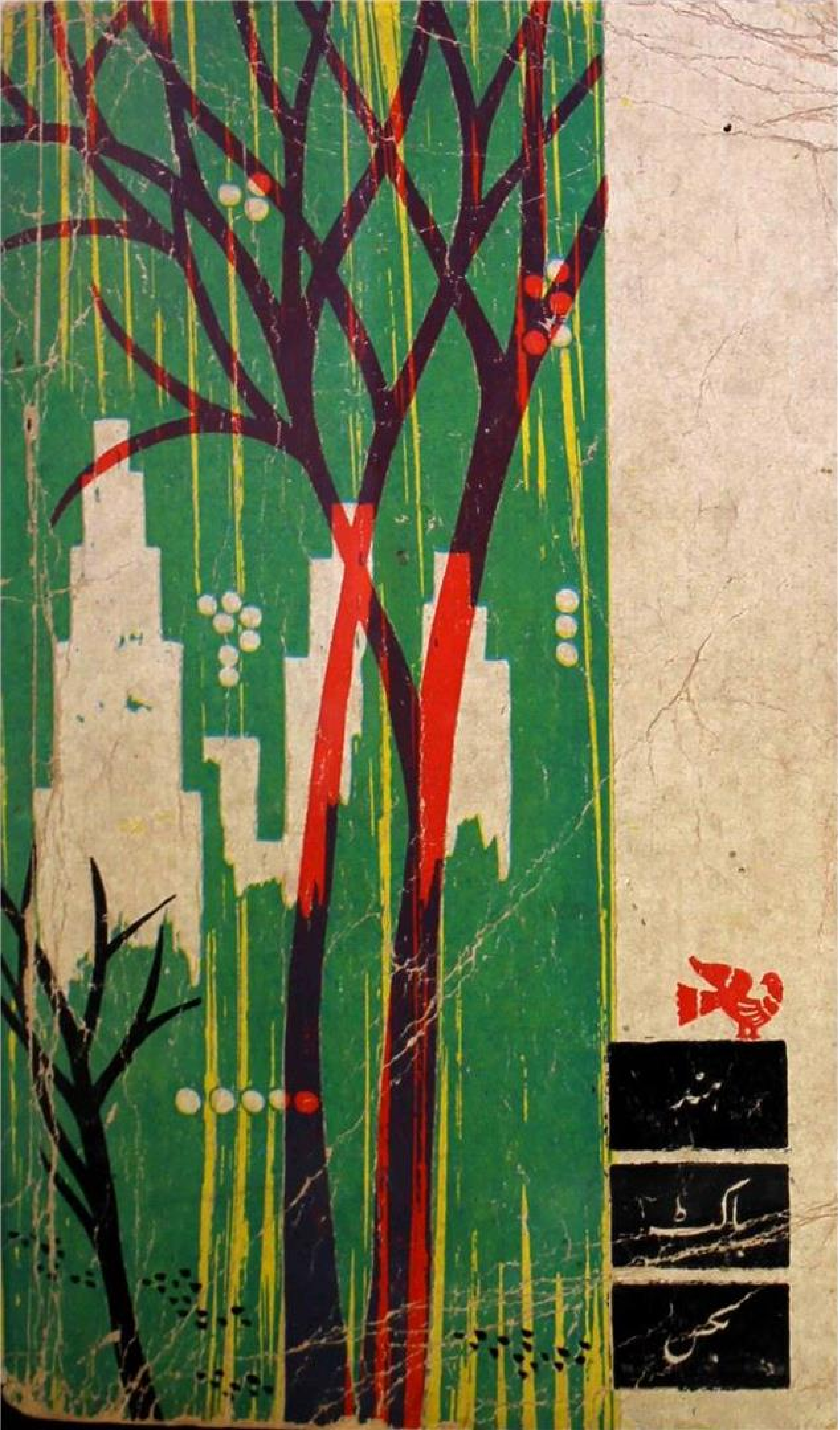
کے وکیل نے میورسول کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے اسے ذہنی جوش میں آکر کیا گیا قتل، کہہ کر جرم کی سنگینی کو قدرے کم کر دیا اس نے میورسول کو مہذب اور عمیق نوجوان ثابت کرنے کی کوشش کی اس کے بعد جیوری نے اپنی رائے دی اور فاضل جج نے فیصلہ سنا دیا کہ فرانسیسی عوام کے نام پر بیچ چوراہے میں کھڑا کر کے میورسول کی گردن اڑا دی جائے۔

حکم کی تعمیل ہونے تک میورسول کو جیل بھیج دیا گیا جہاں گرجا کے پادری نے اس سے ملنا چاہا تاکہ میورسول اس کے سامنے اپنے گناہ قبول کرلے اور اس کی روح کو اطمینان حاصل ہو لیکن میورسول نے پادری سے ملنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے پادری خود ہی اس کے پاس جا پہنچا۔ اور کفارہ کرنے کے لئے کہنے لگا۔ میورسول اس کی باتوں پر جھنجلا اٹھا۔ وہ کسی طرح بھی خدا کی مہربانیوں پر ایمان لانے کو تیار نہیں تھا۔ وہ چلا چلا کر پادری کی باتوں کی مخالفت کرنے لگا۔ اور پھر طیش میں آکر اس نے پادری کا گریبان پکڑ لیا۔ اور جب پادری وہاں سے چلا گیا تب بھی میورسول کافی دیر تک غصے سے ہانپتا رہا۔۔۔۔ اور اسی تکان کی وجہ سے کافی دیر تک پڑا سوتا رہا اور پھر اسے اپنی ماں کی یاد آگئی۔ مرنے سے کچھ دن پہلے پیرے نامی ایک شخص سے اس کی ماں کے جو گہرے مراسم ہو گئے تھے اور جن کے بارے میں میورسول کو بےحد تعجب ہوتا تھا اب اسے کچھ زیادہ تشویش کے حامل نظر نہ آتے

تھے۔ بلکہ وہ انہیں ناگزیر سمجھنے لگا۔

اب میور سول اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا تاکہ پھانسی کے وقت بھی پہلے ہی کی طرح خوش و خرم رہ سکے اور اس نے سوچا یہ کیفیت بھی تو ایک طرح کا سفر ہی ہے۔

ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ
جی ٹی روڈ شاہدرہ دہلی ۳۲



ہند
پاکٹ
بکس